تاریخِ ایرانِ باستان

از

محمد خلیل الرحمٰن

مؤلف زرتشت نامہ، و مترجم اخبار الاندلس و مولدین
و تاریخ الخلفاء سیوطی و نفح الطیب وغیرہ

پس از نظرِ ثانی

از

محمد نعیم الرحمٰن، ایم اے
استاد عربی و فارسی، جامعۂ الہ آباد

نشر دادۂ

کتابستان، کراچی

طبع اوّل ۱۹۴۷ء

قیمت

این که در شه نامه ها آورده اند:
رستم روئین تن و اسفند یار؛
تا بدانند این خداوندان مُلک،
کز بسی خلق است دنیا یادگار!

فہرست مضامین

صفحہ
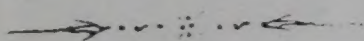
اهورا مزدا

دیباچہ

یہ بظاہر ایک عجیب سی بات ہے مگر حقیقت ہے کہ اردو ادبیات میں تاریخ ایران کے مضمون پر اتنی کتابیں بھی نہیں ہیں کہ انگلیوں پر بھی گنی جاسکیں۔ اب سے پینتیس برس پہلے کی بات ہے کہ میرے والد مرحوم نے جناب وخشور زرتشت کے حالات شریفہ پر ایک کتاب زرتشت نامہ لکھ کر شائقین علم کے سامنے پیش کی تھی۔ اردو میں یہ پہلی کتاب تھی، اور اب تک لاثانی ہے۔ زرتشت نامہ نہایت مقبول ہوا، اور عرصہ ہوا کہ طباعت اور اشاعت دونوں سے خارج ہوچکا ہے۔

راقم کو جناب مؤلف (رحمہ اللہ) کا یہ ارشاد خوب یاد ہے کہ "میرا ارادہ تھا کہ میں زرتشت نامہ کے بعد ایران کی کل تاریخ لکھوں گا، جو قبل از اسلام، ابتداء اسلام تا نواقض دولت عباسیہ اور بعد از عباسیہ کے ادوار پر مشتمل ہوگی"؛ لیکن ایک طرف تو مکروہات زمانہ نے فرصت نہ دی، دوسری طرف حضرت مؤلف نے اپنے نہایت قدیم ذوق و شوق کی تکمیل میں اندلس کی تاریخ کا مطالعہ کیا اور اس مضمون پر نفح الطیب (ملخصاً) اخبار الاندلس اور مولدین جیسی بیش بہا کتابیں ملک و ملت کو پیش کیں؛ اور اس میں شک نہیں کہ اہل ذوق نے اُمید سے کہیں بڑھ کر ان کی قدر کی، اور خود جناب مؤلف و مترجم اس قدر دانی کے معترف تھے۔

اب سے دس بارہ برس پہلے کی بات ہے کہ والد مغفور کو دوبارہ یہ خیال آیا کہ زرتشت نامہ پر نظر ثانی کر کے، اس تمام عرصے میں آں حضرت کے سوانح شریفہ کے بارے میں مزید بازجست اور جدید تحقیق کے بعد جو کچھ اضافے اور ترمیمیں ہوئی ہیں ان سب کو ضبط کیا

جائے، اور اسی سلسلے میں تاریخ ایران بھی تالیف کی جائے۔ راقم نے بھی ادب کے ساتھ اس خیال کی تائید کی۔ لیکن باوجود سؤدہانی یاد دہانیوں کے دو تین برس اسی پس و پیش میں گذر گئے؛ اور بالآخر کبر سنی اور ضعف حافظہ کے صحیح اور بجا عذر کے ساتھ ایک مرتبہ یہ فرمایا کہ "زرتشت نامے پر نظر ثانی اور اس میں ترمیم کرنے کی اب مجھ میں ہمت نہیں ہی؛ تمھیں کبھی توفیق ہو تو یہ کام کر دینا ورنہ کوئی اور بندۂ خدا کر ہی دے گا۔ جب یہی نہیں ہو سکتا تو ایران کی تاریخ لکھنا اب میرے بس کی بات نہیں ہی"۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں مَیں نے اپنے نہایت مہربان اور فاضل دوست جناب مولوی ضیاء الحسن علوی صاحب (انسپکٹر مدارس عربیہ صوبۂ متحدہ) سے ایک روز اس امر کا ذکر کیا، تو انھوں نے اِس تجویز کو بہت پسند کیا اور والد مرحوم سے کئی بار اصرار کیا۔ آخر بات اس پر آکر ٹھہری کہ زرتشت نامے پر نظر ثانی نہ سہی، مگر ایران کی ایک مختصر تاریخ ضرور تالیف کی جائے۔ مختصر یہ کہ غالباً سنہ ۱۹۳۶ء کے اواخر سے فارسی اور انگریزی ماخذوں کی کم و بیش ایک درجن مستند کتابیں فراہم کر کے مطالعے اور ملاحظے کے بعد تاریخ ایران کی تالیف شروع ہوی۔ ایران قدیم کی تاریخ ختم ہوتے ہوتے سنہ ۳۷ء بھی قریب ختم کے آلگا تھا۔ اس وقت تک حضرت مؤلف کی صحت جسمانی بہت کچھ سقیم ہو چکی تھی اور قوت حافظہ میں بھی زیادہ ضعف پیدا ہو گیا تھا۔ زمانہ قبل اسلام کی تاریخ ختم کر کے "زمانہ دگر گونہ آئین نہاد" لکھ کر اسلامی زمانے کی تاریخ کا آغاز کرنے ہی کو تھے کہ اطبّاء نے تحریر و تالیف کے کام کو یک قلم موقوف کر دینے کا مشورہ دیا، جسے تسلیم کیے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ یوں وہ قلم جس نے بلا مبالغہ مدت العمر مؤلف کا ساتھ دیا اور ہزاروں صفحے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کر کے ملک و قوم کی نذر کیے، اب آخری مرتبہ قلمدان کے سپرد ہوا تو پھر اُسے نکلنا نصیب نہیں ہوا۔ اس کے بعد ایک سال سے کچھ ہی زیادہ عرصہ گذرا ہوگا کہ وسط فروری سنہ ۱۹۳۹ء میں اچانک فرشتۂ اجل آپہنچا اور فاضل مؤلف نے اس دنیا کے افکار سے

دیباچہ

نجات پاکر عالم بقا کی راہ لی: رحمہ اللہ وجعل الجنۃ مثواہ۔
کتاب کا تاریخی حصّہ تو مکمل ہو چکا تھا' مگر پہلا باب (یعنی جغرافیاے ایران) نہیں لکھا گیا تھا؛ اور ناچیز راقم کو حکم ہوا تھا کہ یہ باب بھی تالیف کرے اور کتاب پر نظرِ ثانی بھی کرے۔ حضرت مؤلف کی وفات کے بعد زیادہ زمانہ نہ گذرا تھا کہ جنگ شروع ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کاغذ ناپید ہوگیا۔ لامحالہ کتاب کی طباعت معرضِ التوامیں پڑ گئی؛ اور باب اوّل کی تالیف اور نظرِ ثانی کا کام بھی موقوف رہا۔ اب کہ مالکانِ کتابستان' بمقتدر کلیم الرحمٰن صاحب اور معتز عبید الرحمٰن صاحب نے' جو مؤلف مغفور کے فرزند اور راقم کے بھائی ہیں اس طرف توجہ کرکے اس کتاب کی طباعت و اشاعت سے سعادت اندوزی کا ارادہ کیا' تو راقم نے باب اول تحریر کرکے کُل کتاب پر نظرِ ثانی کی ہی۔ اس نظر میں کہیں کہیں (مثلاً داریوش اعظم کے حالات میں) کچھ اضافہ کیا گیا ہی' اور حتی الوسع سنین کی مزید تنقیح اور اسماء اعلام کے یونانی اور ایرانی ہجوں کی تطبیق کی گئی ہی' اور کہیں کہیں کچھ الفاظ اور جملے بدل دیے گئے ہیں۔

ناشرین جس حیثیت کے مالک ہیں اُس کے لحاظ سے اُن کا شکریہ ادا کرنا غیر ضروری بھی ہی اور بے جا بھی؛ مگر میرے مخدوم و کرم فرما اور حضرت مؤلف کے دلی دوست' فاضل پروفیسر عبد الستار صدیقی صاحب کا شکریۂ احسان ادا کرنا لازمی ہی کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ مانی کے متعلق اپنے فاضلانہ اور محققانہ مقالے سے اقتباس اور استفادہ کرنے کی اجازت دی بلکہ مسودے کے اس خاص حصّے پر نظرِ ثانی بھی فرمائی۔

کتاب میں' خود جناب مؤلف کے ایماء اور انتخاب سے' ایران قدیم کا ایک نقشہ اور چند تصاویر بھی دی گئی ہیں' جس سے کتاب کی زیبائی اور نظر فریبی مدّ نظر نہیں ہی بلکہ افادہ مقصود ہی۔ آخر میں مزید افادے کے خیال سے حکمرانوں اور تاجداروں کی تاریخیں بھی ایک جدول کی صورت میں دی گئی ہیں۔

دیباچہ

امید کہ تاریخ ایران کے شائقین اور طلبۂ علم اس مختصر کتاب کو مفید اور دلچسپ پائیں، آخر میں دعا ہے کہ خدائے علیم ولایزال اس مختصر کو بھی وہی قبولیت عام بخشے جو مؤلف فاضل کی اور تالیفات کو مدام حاصل رہی ہے۔ آمین۔

بیلی روڈ الہ آباد
یکم اکتوبر سنہ ۱۹۴۶ء

ہیچمداں
محمد نعیم الرحمن
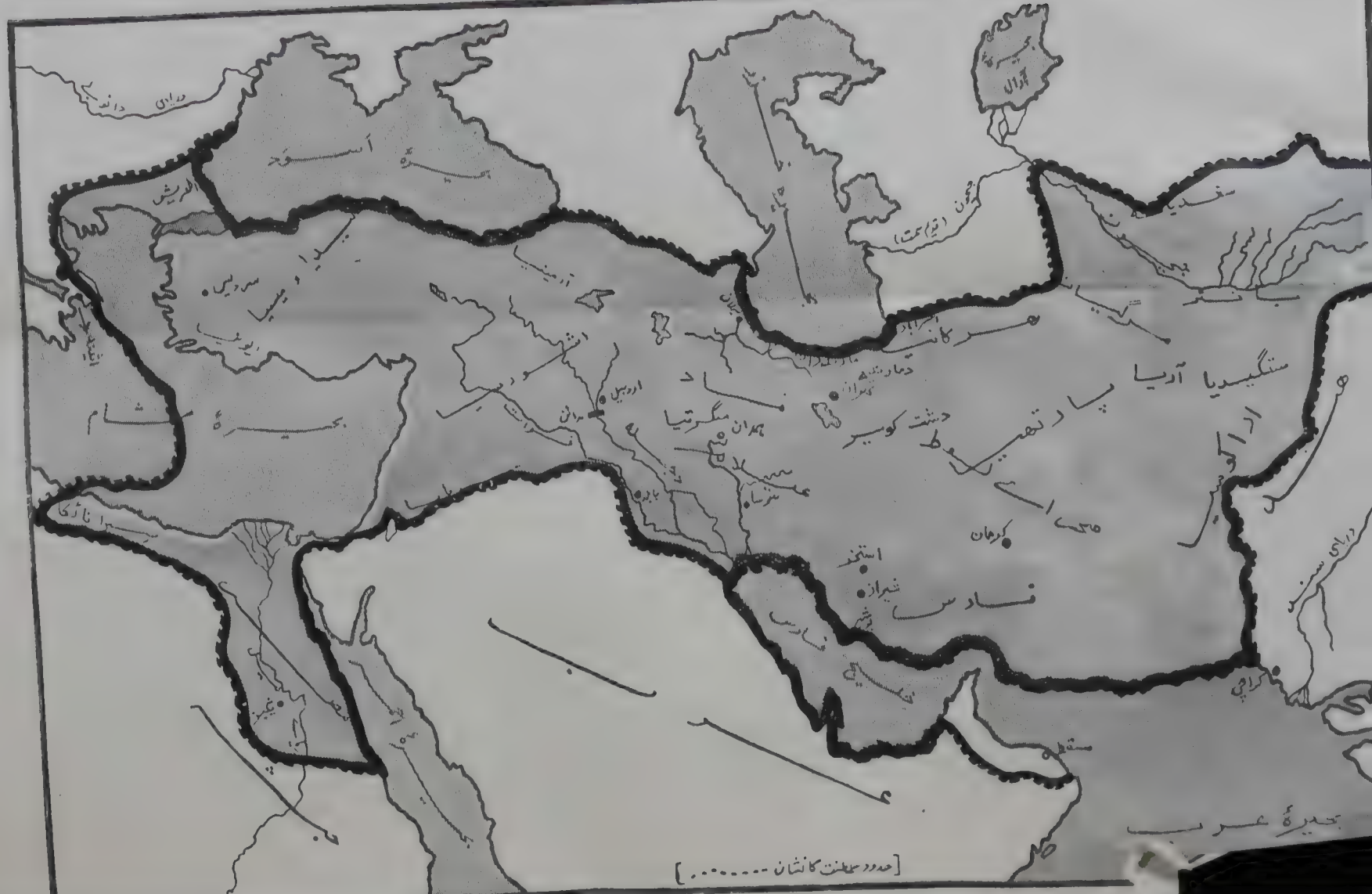
دریای دانوب
سردیس
اردبیل
مدائن
ہمدان
دماوند
تہران
ہرکانیہ
آریا
پارتھیا
دشت کویر
کرمان
استخر
شیراز
بوشہر
فارس
شام
کراچی
مسقط
[حدود سلطنت کا نشان ......]

مختصر

تاریخ ایران باستان

باب اوّل: جغرافیاے ایران

دریاے سندھ سے لے کر دریاے دجلہ کا تمام درمیانی علاقہ، شروع سے آخر تک ایک مسلسل سطح مرتفع ہے جس کی حدوں پر مشرق میں کوہ ہمالیہ ہے، مغرب میں ایشیاے کوچک کے پہاڑ ہیں، شمال میں کوہ قاف، اور جنوب میں البرز کا سلسلۂ کوہ ہے۔ بادشاہ داریوش کے زمانے میں اس علاقے کا بڑا حصہ ایک ہی ایالت وحکومت کے ماتحت تھا۔ اب تقریباً اُس کا نصف حصہ، اور شمال اور جنوب کے کچھ نشیبی علاقے ایران کی حدود میں شامل ہیں۔ ایران کا رقبہ چھ لاکھ سینتیس ہزار (۶۳۷۰۰۰) مربع میل ہے۔ اس کی حدود یہ ہیں مغرب میں سلسلۂ البرز ہے، مشرق میں کوہ سلیمان اور دریاے جیحون، اور شمال میں قفقاز اور بحیرۂ خزر۔

اس تمام سطح مرتفع کا قریب قریب نصف حصہ بالکل صحرا ہے۔ باقی میں سے پھر تقریباً نصف ایسا ہے جہاں نباتات نہیں ہوتے، اور پہاڑ بھی ایسے ہیں کہ ان میں کسی طرح کی کاشت نہیں ہوتی، البتہ اتنی گھاس ضرور ہوتی ہے کہ خانہ بدوش چرواہے اپنے گلّوں کو چرالیں، اور وہ بھی موسم سرما میں ختم ہو جاتی ہے۔ سلسلۂ البرز کے شمالی حصے میں بہت گنجان جنگل ہے جو بحیرۂ خزر تک پھیلا ہوا ہے۔

ایران میں پہاڑ کثرت سے ہیں، اور حق یہ ہے کہ وہی اس کی عافیت کا باعث بھی

ہیں۔ شمال اور شمال مغرب میں البُرز کا سلسلہ آرمینیہ کے پہاڑوں سے ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہی اور بحیرۂ خزر کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ چلا جاتا ہی۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی دماوند ہی جو اٹھارہ ہزار چالیس فٹ بلند ہی۔ پھر وہ سلسلہ ہوتے ہوتے کوہ بابا کی (جو تقریباً سترہ ہزار فٹ اونچا ہی) کڑی سے جاکر ہندوکش سے مل جاتا ہی جو کوہ بابا ہمالیہ کا آخری مغربی سرا ہی۔ جنوب میں کُردستان کے پہاڑ ہیں، جو مشرق کی طرف گھوم کر بحرِ ہند کے ساحل کے متوازی پھیلے ہوے ہیں اور دریاے سندھ کے دہانے کے قریب تک جا پہنچتے ہیں۔ ایران کے پورے مرتفع کا جو بتدریج شمال کی طرف ڈھلتا چلا جاتا ہی اندازہ یوں ہو سکتا ہی کہ کرمان شہر ۵۵۳۰ فٹ بلندی پر ہی، شیراز ۵۱۰۰ فٹ پر تہران ۳۸۴۲ پر، مشہد ۳۴۶۵ اور تبریز چار ہزار سے کچھ زیادہ ہی۔ اصفہان اور یزد کی سطحیں بھی اسی قدر بلند ہیں۔ ملک کے تقریباً وسط میں ایک وسیع صحرا ہی، اور گو کہ وہ اپنے گرد کے تمام ملک کی نسبت بہت نشیب میں ہی تاہم سمندر کی سطح سے دو ہزار فٹ اونچا ہی۔ یہ وسطی صحرا تمام روے زمین میں خشک ترین علاقہ ہی۔ بندرگاہ بوشہر میں (جو سمندر کے کنارے پر واقع ہی)، سال بھر میں صرف گیارہ انچ بارش ہوتی ہی۔ تہران اور مشہد میں صرف ساڑھے نو انچ اور اصفہان کا حال تو اس سے بھی بدتر ہی۔ چوں کہ شمالی ہوائیں البرز سے ٹکرا کر رُک جاتی ہیں اس لیے مازندران اور گیلان میں بارش بہ کثرت ہوتی ہی اور یہی سبب ہی کہ وہاں گنجان جنگل نظر آتے ہیں۔ مگر تہران اور اصفہان خشک رہ جاتے ہیں؛ صرف موسم بہار میں براے نام سی بارش ہوتی ہی۔ اس وسطی صحرا کو جنوب کے ایرانی صحراے لوط کہتے ہیں اور شمال کے لوگ کویر۔ اس میں ریگِ رواں کی پہاڑیاں بہ کثرت ہیں۔ پھر وہاں آندھیاں اس قدر شدید چلتی ہیں کہ کاروان اور قافلے صحرا میں سے گذرتے ہوے بہ مشکل جاں بر ہوتے ہیں۔

دریاے سندھ سے لے کر دریاے دجلہ تک صرف ایک کارون دریا ایسا ہی

جس میں جہازرانی ہوسکتی ہی مگر وہ بھی ناطور پر ایران کا نہیں بلکہ عربستان کا دریا ہی. قدیم زمانے میں عربستان کا نام سُوسیانہ تھا اور ایرانی وہاں کبھی بود و باش نہیں رکھتے تھے. دریاے زندہ رُود بھی انھیں پہاڑوں سے نکلتا ہی مگر مخالف سمت کو بہتا ہی اور شمال کی طرف ہوتا اور اصفہان کے میدان کو سیراب کرتا ہوا آخر گاؤخانہ کی دلدل میں جا کے غائب ہو جاتا ہی. ایران کا طویل ترین دریا قزل اُوزُون ہی. یہی دریا جب کوہ البُرز کی گہری وادیوں میں سے گذر کر آگے پہنچتا ہی تو اس کا نام سفید رُود ہو جاتا ہی. قدیم زمانے میں اس کا نام اَمَرڈُس تھا. اس کا منبع جھیل اُرمیہ میں ہی اور دہانہ رشت کے قریب بحرِ خزر میں. ایک اور دریا تاجند ہی جو ہَری رُود (یعنی ہرات کا دریا) کے نام سے زیادہ مشہور ہی. اٹھارویں صدی سے یہ دریا افغانستان کی حدود میں شامل سمجھا جاتا ہی. ایران میں پہنچ کر اس میں پانی بہت کم رہ جاتا ہی. راستے میں مشہد کے قریب کَشَف رُود (یعنی کچھواندی) اس میں آکر مل جاتا ہی اور کچھ آگے چل کر ریت میں غائب ہو جاتا ہی. کم و بیش یہی حال دریاے ہلمند کا ہی جو زیادہ تر افغانستان میں بہتا ہی اور ایران اور افغانستان کے درمیان میں پہنچ کر سیستان کے پاس جھیل زِرَہ کی ایک دلدل میں ختم ہو جاتا ہی. اِس کے کناروں پر پُرانے شہروں کے کھنڈر ہیں جن کا کسی تاریخ میں نام نہیں ملتا.

مغربی ایران میں تین بڑی جھیلیں ہیں جو پہاڑوں کے اندر ایک دوسرے سے قریب قریب واقع ہیں: وان، گوکچہ اور اُرُومیہ. سیاسی تغیرات کے سبب سے وان تُرکی علاقے میں داخل ہوگئی اور گوکچہ روسی آرمینیہ میں پہنچ گئی. اُرُومیہ جو ان سب میں بڑی ہی شمالاً جنوباً اسّی میل لمبی ہی اور شرقاً غرباً بیس میل؛ اور سمندر کی سطح سے ۴۱۰۰ فٹ اونچی ہی. اس کا پانی بچاس فٹ گہرا اور جھیل مُردار کے پانی سے بھی زیادہ کھاری ہی. شیراز سے جنوب مشرق کی طرف ایک جھیل دریاے مہالُو ہی اور شمال

مغرب میں نیریز ہی مشرق میں افغانستان کی سرحد کے قریب سیستان کی بڑی جھیل ہی جس کا نام ہامون (یعنی میدان) ہی۔ اس کی سطح مختلف موسموں میں مختلف ہوتی ہی۔ گرمیوں میں جب اس کے اِردگرد کے پہاڑوں پر برف پگھلتی ہی تو اس سے دریائے ہلمند اور اس کے معاون پیدا ہوتے ہیں اور ہامون زیادہ پانی کثرت سے جمع ہو کر سطح بلند کر دیتا ہی؛ مگر سردیوں میں اس تمام رقبے میں پانی بہت کم رہ جاتا ہی۔ جس سال پانی کی طغیانی آتی ہی تو یہ سب پانی ایک بڑی سی دھارا کی صورت میں بہ کر گودِ زرّہ میں جمع ہو جاتا ہی، اور وہ گود (یعنی بڑا گڑھا) اتنا بڑا ہو جاتا ہی کہ اس کا طول ایک سو میل ۔ عرض تیس میل ہو جاتا ہی۔ اسی طرح کا ایک اور "ہامون" کرمان کے علاقے میں جزموریان ہی، جس میں دو چھوٹے چھوٹے دریا، بمپور اور ہلیل، گرتے ہیں۔

ایران کے جنوب میں خلیج ایران ہی، جو بحرِ ہند کی شاخ اور ایران اور عرب کے مابین حدِ فاصل ہی۔ یہ خلیج روے زمین کے گرم ترین مقامات میں سے ہی۔ شمالی حد پر بحیرۂ خزر ہی جس کے کنارے پر گیلان، مازندران (طبرستان)، اور استراباد کے صوبے واقع ہیں۔ اس کی تین تہیں ہیں: شمالی بہت اتھلی ہی درمیانی اس سے کچھ زیادہ گہری ہی، اور جنوبی تہ بہت زیادہ گہری ہی اور مُرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اور زیادہ گہری ہوتی جاتی ہی۔

ایران کی نباتی پیداوار بہت کم ہی۔ قدرتی مناظر میں بہت کم درخت پیدا ہوتے ہیں، مگر جہاں جہاں آبیاری کا بندوبست کیا گیا ہی ان علاقوں میں درخت زیادہ ہوتے ہیں۔ موسم بہار میں تھوڑے سے عرصے کے لیے پہاڑوں پر ہزاروں قسم کے پودے اور درخت نمودار ہو جاتے ہیں اور جھاڑیاں پھولوں سے لد جاتی ہیں، مگر گرمی کے آتے ہی یہ سب نظارہ یکبارگی غائب ہو جاتا ہی۔ دریاؤں کے کناروں پر اور آب پاشیدہ علاقوں میں چنار کا درخت بہت ہوتا ہی۔ بید مجنون، بو قیصا، دردار، سال اور اخروٹ کے درخت اس سے کم ہوتے ہیں، اور صنوبر اور سرو بہت ہی کم۔ پھلوں کے درختوں کی کاشت

نہایت کثرت سے کی جاتی ہی۔ ناشپاتی' سیب' چکوترہ' زرد آلو' سفید و سیاہ انگور'
آڑو' آلوبالو اور سفید اور سیاہ شہتوت ہر جگہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ انجیر' انار' بادام'
پستہ' کھجور' سنگترہ' انگور اور خربوزہ گرم سیر علاقوں میں بہت اچھے ہوتے ہیں۔ پہاڑوں
میں ریوند چینی' کلاہ باران' من اور گز پانی کی دھاراؤں کے کنارے کنارے پائے
جاتے ہیں۔ زیرہ کرمان کی خاص چیز ہی' ہینگ کے پودے ہندوکش میں بہ کثرت ہوتے
ہیں' اور اونٹ کٹارے کے پودوں سے ترنجبین دستیاب ہوتی ہی۔

جنگلی جانور ایران میں اب کمیاب ہیں۔ قدیم تاریخی زمانے میں جو شیر اور ببر ملتے تھے
اب تقریباً ناپید ہیں۔ بحیرۂ خزر کے قریب کے صوبوں میں کچھ شیر ضرور پائے جاتے ہیں۔ ریچھ
بھی نادر چیز ہی۔ برعکس اس کے' بھیڑیے' چیتے' لکڑ بگھے' سیاہ گوش' بن بلاؤ' لومڑی'
گیدڑ بڑی کثرت سے ہوتے ہیں۔ خزری صوبوں کے جنگلوں میں ہرن اور بارہ سنگھا ہوتے
ہیں: پہاڑ جنگلی بھیڑوں اور جنگلی بکریوں سے بھرے ہوے ہیں: اور جنگلی سؤر تو ہر جگہ
نظر آتا ہی۔ غزال میدانوں میں گھومتے پھرتے ہیں' اور گورخر دلدلوں میں پایا جاتا ہی۔
خرگوش البتہ بہت کمیاب ہی۔

قدیم زمانے میں خراسان کے گھوڑے ہر جگہ مشہور تھے' اور ماد کے علاقے میں گھوڑوں
کی باقاعدہ پرورش اور تربیت ہوتی تھی۔ آج کل تین قسم کے گھوڑے ہوتے ہیں' عرب'
ترکمان' اور ایرانی۔ گائے بیل معمولی چوپائے ہیں: زیبو شمالی صوبوں میں اور سیستان میں
ہوتا ہی' اور سیستان اور سوسیانا میں بھینس بھی پالی جاتی ہی۔ بھیڑوں کے علاوہ دُنبہ
بھی عام چیز ہی۔ ایک کوہان کا بلوچستانی اونٹ اپنی تیز رفتاری کے لیے مشہور ہی' اور دو
کوہان کے اونٹ ملک کے شمالی حصے میں پائے جاتے ہیں۔ عقاب' باز' گدھ' اور ہُما
کی قسم کے شکاری پرند اور دوسرے معمولی پرندے ایران میں بہت ہیں۔ بُلبل تو ایران
کی خاص الخاص چیز ہی جس کی تعریف و توصیف میں شاعروں کے دیوان بھرے پڑے

ہیں۔

آج کل ایران میں سوا نفط کی کانوں کے دھاتوں کی کانوں پر تو کوئی کام نہیں ہوتا، مگر زمانۂ قدیم میں یہ صورت حال نہ تھی۔ قدیم اشوری کتبوں سے پتا چلتا ہی کہ کوہ دماوند میں سے لاجورد پتھر کھود اور صاف کیا جاتا تھا۔ شاہ عبّاس صفوی نے کانوں کی حرفت شروع کرائی تھی، مگر اس پر صرفہ اس قدر کثیر ہوتا تھا کہ پریشان ہو کر یہ کام ترک کر دیا۔ تمام تہران اور مشہد میں کوئلہ اور سبزوار میں تانبا نکالا جاتا ہی۔ اسی طرح ہرمز، ابو موسیٰ اور طُول میں گیرو کی اور لنگہ کے مشرق و مغرب میں گندھک کی کانوں پر برابر کام ہوتا ہی۔ نیشاپور میں فیروزے کی کانیں ہیں، بدخشاں میں لعل اور لاجورد کی، یزد میں سنگ مرمر کی، اور آذربائیجان میں لوہے، سیسے اور تانبے کی۔ مگر ان سب کانوں پر کوئی باقاعدہ کام نہیں ہوتا۔

ایران میں روزانہ غذا کی چیزوں میں چاول عام ہی۔ اس کے علاوہ دوسرے اناج، چائے اور تمباکو پہاڑوں کے ڈھلوانوں اور دامنوں میں کاشت کیے جاتے ہیں۔ روئی اور سَن کی بھی کاشت ہوتی ہی۔ خاص کر گیلان میں، جہاں بہت سے جنگلوں کو صاف کر کے زراعت کے قابل بنا لیا گیا ہی۔ انگور اور شرابِ انگوری کا تو ذکر ہی تحصیل حاصل ہی۔ ایران کی شاعری کا معتدبہ حصّہ، خواہ وہ کسی نوع کا ہو یا کسی مضمون پر مشتمل ہو، انگور اور شراب انگوری کے ذکر سے پُر ہی اور فارسی شعر و شاعری پر ان دونوں "باپ بیٹی" کا بہت بڑا احسان ہی۔

اُن سے لڑنے کو بھیجا۔ دیووں نے اُسے مار ڈالا۔ کیومرث نے بیٹے کا انتقام لینے کے لیے اُن پر فوج کشی کی، اور اُن کو شکست دی۔ کہا جاتا ہے کہ شہر بلخ کیومرث ہی کا آباد کیا ہوا ہے وہ تیس برس حکومت کر کے مرگیا۔ اس کے بعد اُس کے پوتے، یعنی سیامک کے بیٹے

ہوشنگ

نے زمام سلطنت ہاتھ میں لی۔ یہ شخص ہوشیار عقلمند اور عادل بادشاہ تھا۔ اُس نے لوگوں کو کھیتی باڑی سکھائی، اور کھانے پینے کی اچھی اچھی چیزیں بتائیں۔ ایک روز شکار میں اُس نے ایک عجیب اور مہیب سی چیز دیکھی۔ اُس کو مارنے کے لیے اُس نے ایک پتھر پھینکا۔ وہ ایک دوسرے پتھر پر پڑا۔ اُس سے آگ نکلی۔ اس سے اُسے بہت تعجب ہوا، اور آگ کو خدا سمجھ کر اُسے پوجنے اور لوگوں سے پجوانے لگا۔[1] کہتے ہیں کہ ہوشنگ ایک کتاب "جاویدان خرد" کا مصنف ہے، جس میں بڑے بڑے مفید پند و نصائح ہیں۔ شہر سوسہ اُسی کا آباد کیا ہوا بتایا جاتا ہے۔ وہ چالیس برس سلطنت کر کے مرگیا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا

طہمورث

اس کا جانشین ہوا۔ یہ شخص بھی عقیل و عادل تھا۔ سُوت کا کپڑا بُننا، وحشی جانوروں کو پالنا، سدھانا اور اُن سے کام لینا اسی نے لوگوں کو سکھایا۔ باز اور شاہین وغیرہ سے

---

(۱) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قدیم ایرانی ایک بہت بڑی ہستی کو پوجتے تھے اور اس کو خدا کہتے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ دنیا بھر کی اقوام میں صرف ایران ایک ایسا ملک ہے جس نے کبھی بُت پرستی نہیں کی۔

شکار کرنے کے طریقے اسی نے بتائے۔ اس کی بھی دیووں سے جنگ ہوی، اور اُن کو شکست دے کر سب کو قید کر دیا۔ اسی لیے اُسے "طہمورثِ دیوبند" بھی کہتے ہیں۔ اس کے قیدی دیووں نے ہی اُسے لکھنے کا فن سکھایا تھا۔ وہ تیس برس بادشاہت کر کے مر گیا۔ اُس کے بعد اس کا بیٹا

جمشید

بادشاہ ہوا۔ یہ شخص بہت سے ہنر جانتا تھا۔ زرہ اور خود، اور شراب و سُرود اس کی ایجاد بتائے جاتے ہیں۔ اُسی نے شمسی مہینے اس طرح قرار دیے کہ ایک سو تیس برس کے بعد صرف ایک مہینا بڑھانا پڑتا تھا۔ جشنِ نَوروز کا آغاز اُسی کے وقت سے ہوا اور اب تک اُسی سے منسوب ہی۔

جمشید نے ایک بہت بڑا لشکر تیّار کیا، اور اُس کی مدد سے ایک سو برس کے عرصے میں ساری دنیا کے آدمیوں، جنوں اور دیووں کو اپنے زیرِ نگیں کر لیا۔ دیووں نے اُسی کے حکم سے پتھر اور اینٹوں کی بڑی بڑی عمارتیں بنا کر اُسے دیں۔ من جملہ اُن کے ایک زبردست عمارت "تختِ جمشید" اسی کی طرف منسوب کی جاتی ہی۔ شہر استخر[1] کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہی کہ اسی نے آباد کیا اور اپنا دار السّلطنت بنایا۔ یہ مقام موجودہ شیراز سے پینتیس میل کے فاصل پر واقع ہی۔ چاندی، سونا، جواہرات، مشک، عنبر اور اُن کی قدر و قیمت اُسی نے دریافت کی۔ اسی نے خوشبودار چیزوں کو معلوم کیا اور اُن کے عرق اور عطر کھنچوائے۔ دوائیں بھی سب سے پہلے اُسی کو معلوم ہوئیں۔ کہتے ہیں کہ اُس کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں ساری دنیا اور جو کچھ اُس وقت دنیا میں ہو رہا تھا

---

[1] عربی میں اصطخر، یونانی اور انگریزی میں پرسی پولس۔

یا بعد میں ہونے والا تھا، اُسے نظر آجاتا تھا۔ اسی پیالے کو "جامِ جمشید" کہتے ہیں۔ فارسی شعر میں اِس جام کا ذکر بکثرت آتا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب جمشید سات سو برس تک حکمرانی کر چکا تو ایک نوروز کے دن جشن منانے بیٹھا۔ اس موقعے پر اُس نے ایک تقریر کی جس کے دوران میں اُس نے بڑے غرور سے کہا کہ "آج دنیا میں کوئی میرا ثانی نہیں ہے"۔ اس بڑے بول کی سزا اُسے یہ ملی کہ اُس کی فوج میں مرداس نامی ایک سردار تھا جس کے بیٹے ضحاک نے اس پر چڑھائی کی اور اسے شکست دے کر اس کا تخت و تاج اُس سے چھین لیا۔ اُس نے تخت پر بیٹھتے ہی جمشید کو مُلک سے نکال باہر کیا۔

ضحّاک

وہ غالباً ملکِ عرب کا باشندہ تھا۔ مگر بعض اہل رائے کا خیال ہے کہ وہ اشوریا کا رہنے والا تھا۔ وہ نہایت ظالم اور خون ریز آدمی تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس کے دونوں کندھوں پر دو سانپ تھے، جن کی غذا آدمیوں کا بھیجا تھا۔ ضحّاک کی ادنیٰ سی خونریزی یہ تھی کہ ہر روز دو ہزار آدمی پکڑ کر لائے جاتے تھے اور اُن کے سروں کے بھیجے نکال کر اس کے سانپوں کو کھلائے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ لوگ ایسے ظالم اور سفّاک بادشاہ کی حکومت کو عرصے تک برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

جمشید بادشاہ معزول ہو کر سخت مصیبتیں اُٹھاتا زابلستان (سیستان) پہنچا، اور وہاں کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اُس سے اُس کے ایک لڑکا ہوا، جس کا نام اُس نے فریدون رکھا۔ مگر ضحاک کے خوف سے اُسے اپنے ہمراہ نہ رکھ سکا، بلکہ کاوہ نام ایک لوہار کے سپرد کر دیا جس نے اُس کی پرورش کی۔ کچھ عرصے کے بعد جمشید کو زابلستان سے بھی بھاگنا پڑا۔ وہاں سے چل کر وہ چین پہنچا، اور چین سے ہندوستان۔ مگر ضحاک کے آدمی

برابر اُس کی ٹوہ میں لگے ہوئے تھے اور ہندوستان پہنچ کر اُسے گرفتار کرکے اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ ضحاک نے اُسے آرے سے دو ٹکڑے کراکے ہلاک کردیا۔

فریدون جب بڑا ہوا تو اُسے اپنے باپ کا انتقام لینے کا خیال آیا۔ چنانچہ اُس نے ایک فوج تیار کی، اور اپنے محسن و مربی لوہار کاوہ کی چمڑے کی دھونکنی لے کر اپنا عَلَم (دِرفش) بنایا۔ یہی علم "درفش کاویانی" کہلاتا ہے، اور فارسی ادبیات میں بہت معروف ہے۔ فوج اور رعایا ضحاک کے ظلموں سے تنگ آ ہی چکی تھی۔ سب کے سب فریدون سے مل گئے۔ ضحاک جان بچا کر بھاگا، اور فریدون کے خوف سے مارا مارا پھرتا رہا۔ آخر فریدون نے اُسے گرفتار کرکے کوہ دماوند میں قید کردیا۔

کہتے ہیں کہ ضحاک نے ایک دن کم ایک ہزار برس بادشاہت کی۔

فریدون

فریدون نے بادشاہ ہوکر خوب دادِ دہش کی، اور عدل و سخاوت کی داد دی۔ اُس نے اپنے تمام ممالکِ محروسہ کا دورہ کیا، اور رعایا کے احوال کو بچشمِ خود دیکھا اور سمجھا۔

فریدون کے تین بیٹے تھے: ایرج، سَلم اور تُور۔ اُس نے اپنے مُلک کو تین حصّے کرکے تینوں بیٹوں میں تقسیم کردیا۔ ایرج کو ایران دیا، سلم کو شام اور تور کو توران[1] سلم اور تور اس تقسیم سے راضی نہ ہوئے۔ پہلے تو انھوں نے باپ سے کہا سُنا، مگر جب فریدون نہ مانا تو انھوں نے سازش کرکے ایرج کو قتل کرڈالا۔ اِس سے فریدون کو سخت صدمہ ہوا، اور یہیں سے ایران اور توران کی مخالفت اور دشمنی

---

[1] ترکستان۔

کی بنیاد پڑ گئی۔

ایرج کے مرنے کے بعد اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام منوچہر رکھا گیا۔ فریدون نے اُسے پرورش کیا، اور جب وہ بڑا ہوا تو اسے سلم اور تور سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ منوچہر نے لڑائی میں پہلے تور کو، پھر سلم کو قتل کر دیا۔ منوچہر اِس طرح فتح پاکر واپس آیا، تو فریدون نے خود اپنا تاج اُس کے سر پر رکھ دیا، اور اس واقعے کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد مر گیا۔ پیش دادیوں میں یہ بادشاہ سب سے بڑا اور دادگر مانا جاتا ہے۔ اس کی بادشاہت کی مدت پانچ سو سال کی بتائی جاتی ہے۔

منوچہر

منوچہر اپنے دادا فریدون کے آئین پر قائم رہا۔ اس نے فوج اور رعایا کو خوب خوش رکھا۔ آب پاشی اور آب نوشی کے لیے اُس نے نہریں کھدوائیں۔

اِدھر تو یہ ہو رہا تھا، دوسری طرف پہلوانانِ سیستان میں سے ایک شخص سام نریمان کا خاندان زور پکڑ رہا تھا۔ سام کا ایک بیٹا زال، بڑا ہو کر نہایت طاقتور آدمی نکلا۔ منوچہر نے اُسے اپنے پاس بُلایا، اور انتہائی خاطر و مدارات کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ زال جب کچھ عرصہ منوچہر کے پاس ٹھیر کر واپس کابُل گیا، تو اس نے وہاں کی شاہزادی رودابہ سے شادی کر لی۔ کابُل کا یہ خاندان ضحاک کی نسل سے تھا، اس لیے منوچہر کو یہ پیوند بجا طور پر ناگوار ہوا۔ اس نے سام کو بُلا کر حکم دیا کہ کابل کے بادشاہ مہراب پر فوج کشی کر کے اُسے تباہ کر دے۔ زال نے یہ سنا، تو اُس نے باپ کی خوشامد کر کے اِس فعل سے باز رکھا، اور منوچہر کے پاس جا کر منت سماجت کر کے اُسے بھی اس پر عمل پیرا ہونے سے روک دیا۔

زال کی اس شادی کا پھل رستم تھا۔ یہ وہی رستم ہے جس کو بے مثل پہلوان بتانے

اور ایران کی سیاسیات وغیرہ میں دخیل کرنے میں فردوسی نے اپنی عمرِ عزیز کے کئی سال ضائع کیے، اور آخر میں کہہ دیا کہ اس رستم کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ محض ایک زور آور شخص تھا۔

منش کردہ ام رستم داستان   وگرنہ یلی بود در سیستان

اب منوچہر کی عمر ایک سو بیس سال کی ہو چکی تھی۔ اُس نے اپنے بیٹے نوذر کو بلا کر اپنا جانشین بنایا، اور یہ وصیت کر کے راہِ عدم لی کہ "فریدون کے آئین کو نہ چھوڑنا، پشنگ کے بیٹے سے ہوشیار رہنا، اور وقت پڑے تو سام کے خاندان سے مدد لینا۔"

نوذر

اس بادشاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی ظلم و بیداد سے کام لینا شروع کیا۔ رعایا اس سے برگشتہ ہو گئی۔ ناچار اُس نے سام سے مدد مانگی جس نے نوذر اور اُس کی رعایا میں صلح کرا دی اور پھر ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔

تور کا بیٹا پشنگ توران کا بادشاہ تھا۔ اس نے جب منوچہر کی موت کی خبر پائی اور نوذر کی رعایا کی تنگ حالی اور شکایتوں کا حال سُنا، تو اپنے بیٹے افراسیاب کو ایک لشکرِ جرار دے کر ایران پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ حملہ نوذر کے لیے سخت پریشانی کا باعث ہوا، کیوں کہ اُس وقت تک سام بھی مر چکا تھا۔ چار و ناچار اُسے افراسیاب کے مقابلے کے لیے نکلنا پڑا۔ پہلے تو افراسیاب نے نوذر کو محض قید و بند میں رکھا، مگر جب اُسے معلوم ہوا کہ اُس کے کچھ آدمی نوذر کے فوجیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں، تو اُس نے نوذر کو بھی قتل کر کے ایران پر قبضہ جما لیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں ایرانیوں نے زال اور رستم کی مدد سے اُسے وہاں سے نکال باہر کیا۔

نوذر نے کل سات برس حکومت کی چوں کہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے ارکانِ سلطنت نے زاب کو جو منوچہر کی اولاد میں سے تھا، تخت پر بٹھا دیا۔

زاب

چوں کہ توران سے جنگ برابر جاری تھی، اس لیے زاب کو بھی جنگ پر جانا پڑا لڑائی نے پانچ مہینے تک طول کھینچا۔ آخر کار صلح ہوی، اور افراسیاب توران کو واپس چلا گیا۔

زاب بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے عدل وداد کے ساتھ حکومت کی، اور چھیاسی برس کی عمر میں پانچ سال حکمرانی کر کے مر گیا۔

گرشاسپ

زاب کے بعد اُس کا بیٹا گرشاسپ تخت نشین ہوا۔ وہ ابھی پانچ برس ہی بادشاہت کرنے پایا تھا کہ افراسیاب پھر سپاہ لے کر چڑھ دوڑا۔ فوج اور رعایا نے پریشان ہو کر پھر زال سے مدد مانگی۔ زال نے رستم کو بھیجا۔ اس نے گرشاسپ کو سلطنت اور حکومت کے ناقابل پاکر معزول کر کے فریدون کی نسل میں سے ایک شخص کے قباد کو بادشاہ بنا دیا۔

فرض کیا جاتا ہی کہ گرشاسپ پر پیش دادی خاندان کا خاتمہ ہو گیا، اور کے قباد سے کیانی خاندان شروع ہو گیا۔

اس حد بندی کا بظاہر کوئی سبب نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ آخر کے قباد بھی تو فریدون ہی کی نسل سے تھا۔ اتنا فرق ضرور نظر آتا ہی کہ اس خاندان کے اکثر بادشاہوں کے نام پر لفظ "کے" آتا ہی۔ مگر صرف اتنی سی وجہ موجہ نہیں کہی جا سکتی کہ ان لوگوں کو "کیانی"

کا خطاب دیا جاے۔ لفظ کَے کے معنی بادشاہ کے ہیں، اور یہی معنی غالبًا فردوسی نے بھی یے ہیں، کیوں کہ منوچہر پیش دادی کی تاجپوشی کے متعلق اُس نے کہا ہی کہ :

منوچہر بنہاد تاج کیان به زنار خونین به بستش میان

اس موقعے کے علاوہ بھی پیش دادیوں کے ذکر میں کئی جگہ تاج کیانی اور تخت کیانی کہا ہی۔ معلوم ہوتا ہی کہ فردوسی اس تفریق و تقسیم کا قائل نہ تھا۔

یہاں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہی کہ فردوسی کے شاہ نامے کو محض تاریخ کی کتاب کہنا یا سمجھنا درست نہیں ہی۔ پیش دادی قبل از تاریخ زمانے کے لوگ ہیں۔ ظاہر ہی کہ اُن کے بارے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہی وہ قصہ کہانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کیانیوں کا زمانہ ایسا ہی کہ اس میں تاریخ کے نشانات ملتے ہیں۔ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا ہی اور تاریخ کا آفتاب بلند ہوتا جاتا ہی، یہ نشانات زیادہ روشن اور واضح ہوتے جاتے ہیں شاہ نامے کا ماخذ کسی دہقان کی (خواہ وہ دقیقی شاعر ہی ہو) زبانی روایت ہی، جو سُنی سُنائی باتوں پر مبنی ہی، بالخصوص پیش دادیوں اور کیانیوں کے متعلق۔ اس نے ان روایات کو تاریخ کی کسوٹی پر کس کر ان کی صحت اور غلطی کو نہیں پرکھا، اور جوں کا توں لے لیا۔ غالبًا اس کے مقصد و مدعا سے یہ بات خارج بھی تھی۔ مگر باوجود اس کے یہ فرض کر لینا بھی سخت غلطی ہی کہ فردوسی کو راویوں نے کوئی صحیح بات بتائی ہی نہیں اور تمام شاہ نامہ محض افسانہ ہی ہی۔ حقیقت یہ ہی کہ اس جلیل القدر کتاب میں افسانہ اور حقیقت، محض قصہ اور صحیح تاریخ کی ایک نہایت دلکش آمیزش ہی، اور یہی اُس کی شان ہی۔

بظاہر فردوسی کا مقصد صرف یہ تھا کہ ایران کے تاریخی اور روایاتی صنادید اور ابطال کسی طرح زندہ رکھے جائیں اور اُن کی زندگی کے حالات، جیسے کچھ بھی مشہور اور معلوم تھے، ایسے طرز اور ایسے الفاظ میں بیان کیے جائیں کہ سننے والوں کے دلوں میں ایسا جوش پیدا ہو جائے کہ وہ خود اُن کے قدم بہ قدم چلنے پر مائل ہو جائیں۔ مثال کے طور پر

شرف یہی سمجھ لینا کافی ہی کہ فردوسی نے اپنی عمرِ عزیز کے کئی سال ایک معمولی سپاہی یا پہلوان کو رستم بنانے میں صرف کر دیے، اور اپنے سامعین کے دلوں میں ایک کوندتی ہوئی بجلی بھر دی۔ وہ اس قسم کے واقعات کی وجہ سے اپنے نصب العین میں ایسا کامیاب ہوا ہی کہ یہ خوش نصیبی دنیا کے معدودے چند افراد کے نصیب میں آئی ہوگی۔ مگر فردوسی کے انصاف اور احتیاط کی داد دینی چاہیے کہ اتنی بلیغ محنت کے بعد صرف یہ کہہ کر کہ

منش کردہ ام رستم داستان   وگرنہ یلی بود در سیستان

صرف دو مصرعوں کی دو دھاروں سے اپنے ہی کیے دھرے پر پانی پھیر کر رکھ دیتا ہی۔ جو شخص اتنی احتیاط کرے، ناممکن ہی کہ وہ رطب و یابس جو کچھ سنے سب کو قبول کر لے مگر اس کو فرض کر لینے کے بعد بھی یہ کہنے میں باک نہ ہونا چاہیے کہ ممکن ہی کہ شاہ نامہ پوری صحیح تاریخ نہ ہو بلکہ ایک بے مثل رزمیہ داستان ہی ہو!

غرض کہ فردوسی کے بیان کے مطابق، زبان زد روایات یہ تھیں کہ کیانیوں کے تاجدار یہ تھے:

(۱) کے قباد، جس نے ایک سو برس حکمرانی کی
(۲) کے کاؤس، جس نے ڈیڑھ سو برس "
(۳) کے خسرو، جس نے ساٹھ برس "
(۴) لُہراسپ، جس نے ایک سو بیس برس "
(۵) گشتاسپ، جس نے " "
(۶) بہمن درازدست، جس نے سات برس "
(۷) ہُمای، جس نے بتیس برس "
(۸) داراب، جس نے بارہ برس حکمرانی کی؛ اور
(۹) دارا، جو چودہ برس تک بادشاہ رہا۔

اس دارا کو سکندر نے قتل کرکے کیانی خاندان کے بادشاہوں کا خاتمہ کردیا. مگر یہ لوگ آخر آدمی تھے. ان میں ایسی کیا خصوصیت تھی کہ ان میں سے چند کی عمریں اتنی طویل ہوجائیں کہ وہ بعید از قیاس زمانے تک حکومت کرسکیں. فردوسی نے "اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انھیں کچھ نہ کہو" پر عمل کرکے ان روایات کو صحیح مان لیا اور اُن کے روایتی حالات نظم کردیے. فن تاریخ کی خوش قسمتی کہ

زمانہ دگرگونہ آئین نہادا!

قلزمِ علم کے کچھ مستسقی ایسے پیدا ہوگئے جن کی پیاس اس سے نہیں بجھی. انھوں نے تحقیقاتِ علمی کے لیے زمین کا سینہ چاک کرڈالا؛ جن تحریروں کو جنّی سمجھا جاتا تھا اُن کو بڑے ذوق و شوق اور جوش و ہمّت سے حل کرڈالا. مَن جَدَّ وَجَدَ' برسوں کی کند و کاوی کے بعد ان کو کچھ نوشتے مل گئے' اور معتبر عالموں نے برسوں کی مسلسل دماغ سوز اور جاں گسل محنت کے بعد اُن کو پڑھ ڈالا. اس سے تاریخ ایران میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہوگیا. اس میں مجالِ شک نہیں کہ ان نوشتوں میں جو تاریخ پنہاں تھی' روایات اُس سے زیادہ معتبر ہرگز نہیں ہوسکتیں. ان کی بنیاد پر جو تاریخ مرتب ہوسکتی ہے اور ہوی ہے' وہ شک و شبہہ سے بہت کچھ پاک اور نہایت درجہ معتبر ہوگی.

اس ضروری جملۂ معترضہ کے بعد اب ہم پھر تاریخ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں. اب ہم اُس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں تاریخ دانی کے معتبر وسائل ہماری دستگیری کرتے ہیں.

لُہراسپ اور گُشتاسپ کے مقابلے میں، جن کی مجموعی مدت حکومت دو سو چالیس سال ہی، کسی ہخامنشی بادشاہ کا نام نہیں ہی؛ اور کوئی اور ایسے بادشاہ بھی نظر نہیں آتے جو اِن کے ہم نام ہوں یا ان پر بادشاہ ہونے کا گمان ہو سکے۔ ہاں داریوش اور ستاسپایا کے باپ کا نام گشتاسپ تھا، مگر وہ کبھی بادشاہ نہیں رہا۔ اس کے علاوہ ہخامنشیوں میں چند آدمی ایسے گزرے ہیں جن کے نام گشتاسپ تھے اور جنھوں نے باختر میں حکومت کی ہی۔ اس سے ایران کے علماء یہ قیاس کرتے ہیں کہ کیانی نام کا ایک خاندان ضرور تھا، جو باختر میں حکمران رہا ہی اور جسے ہخامنشی خاندان سے کوئی تعلق یا واسطہ نہ تھا۔ ممکن ہی کہ زمانہ آئندہ کی کوئی نئی تحقیق علماء ایران کے اس خیال کی تائید کرے، لیکن اس وقت تک ہمارے پاس اس کی تائید کے لیے کوئی چیز موجود نہیں ہی۔ برعکس اس کے یورپ کے علماء اپنے عقیدے کو بابل کے ایک مینار اور بہستون (واقع ایران) کے چند نوشتوں پر مبنی کرتے ہیں۔ بابل کے مینار پر کوروش کا کتابہ ہی، اور ایران کے کتبے داریوش کے ہیں۔ ظاہر ہی کہ ان سے زیادہ معتبر اور کوئی شہادت نہیں مِل سکتی۔

ان نوشتوں سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ ہخامنشی خاندان میں بہت سے بادشاہ نہیں ہوئے تھے، لیکن اس میں کلام نہیں کہ یہ خاندان بڑا با عظمت تھا۔ اس میں چند بادشاہ تو ایسے تھے کہ اگر دنیا انھیں "اعظم" کا خطاب دے تو ہرگز بے جا نہ ہوگا۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو ایران محض ایک چھوٹی اور حقیر سی سلطنت ہوتی۔ ان ہی کی جرأت، بسالت اور بلند نظری نے ماد[۱] اور بابل کو تباہ کر کے ان کے کھنڈروں پر وہ سلطنت قائم کی جو یورپ کے دریائے دانوب سے خلیج فارس تک، اور ترکستان سے بحرِ روم تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس تخمیناً بیس لاکھ مربع میل کے رقبے میں مختلف اقوام، مختلف مذاہب، مختلف زبان اور مختلف راہ و رسم رکھنے والے

---

[۱] انگریزی میں میڈیا۔ قدیم ایرانی زبان میں اسے ماہ بھی کہتے تھے۔

لوگ رہتے ہوں گے ۔ ایسی سلطنت وہی قائم کر سکتا ہے اور اُس پر حکومت کر سکتا ہی جسے عقل و فہم کا بہت بڑا حصّہ نصیب ہوا ہو ۔

سوال یہ ہی کہ یہ خاندان کہاں سے آیا ؟

معلوم ہوتا ہی کہ فارس میں مختلف قبائل کے لوگ آباد تھے ۔ ان ہی میں سے پَرسَگردے کے علاقے میں ایک قوم ہَخامَنش آباد تھی ' جو آریائی نسل سے تھی ۔ سوسیانا کا دارالسلطنت سوسیانا یا عیلام تھا ' جو کوہستانی علاقے کے ایک میدان میں واقع تھا ۔ اس پر اس قبیلے کا قبضہ تھا ' اور انھوں نے انشانی خاندان کے بادشاہوں کو وہاں سے نکال دیا تھا ۔ ہخامنش بہت سے فارسیوں کو اپنے ہمراہ لے کر اس علاقے میں آیا تھا اور انھیں کی مدد سے اس خاندان نے اپنا اقتدار حاصل کیا اور بڑھایا تھا ۔

کوروش اور داریوش کے کتبوں سے ہخامنشی خاندان کا شجرۂ نسب یہ معلوم ہوتا ہی :

ہخامنش خود صاحبِ تخت و تاج نہ تھا ۔

(۱) چِشِش پائشِس ؛ (۲) کوروشِں ؛ (۳) اریارامَن ؛ (۴) کمبوجیا ؛ (۵) ارسام ؛ (۶) کوروش اعظم ؛ (۷) ہِشتاسپ ؛ (۸) کمبوجیا ؛ اور (۹) داریوش اعظم ۔

معلوم ہوتا ہی کہ ہخامنش کے علاوہ اَریارامَن ' اَرسام اور ہِشتاسپ بھی حکمران نہیں رہے ۔ کوروش پہلا شخص تھا جس نے ایران کی طوائف الملوکی کو ختم کر کے فارس کی ایک متحدہ سلطنت قائم کی ۔ اسی لیے زبانِ خلق نے اُسے بجا طور پر " اعظم " کا خطاب دیا ہی ۔

اس خاندان کے جن بادشاہوں کے حالات کتبوں کے ذریعے معلوم ہوتے ہیں اُن کا ذکر کیا جاتا ہی ۔

کوروش اعظم

(۵۵۸ تا ۵۲۸ ق م)

سنہ ۶۰۷ ق م میں ینینوئی کی فتح کے بعد ماد کا بادشاہ ہُوَخ شَتَر اپنی رُو بہ انحطاط سلطنت اپنے بیٹے اِشتوُوے گُو کو سونپ کر مر گیا. ماد اور بابل کے آپس میں کش مکش شروع ہو گئی. اشتوے گو نے بابل پر فوج کشی کر دی. اُدھر کوروش نے بغاوت کر دی. وہ فوج لے کر آیا، مگر شکست کھا کر میدانِ جنگ سے بھاگنے پر مجبور ہوا. کوروش نے تعاقب کیا، اور اُسے شکست دے کر گرفتار کر لیا. یوں کامیاب ہو کر اس نے ماد اور ہَمدان کا بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا، اور ہمدان کے سارے خزانے کو اٹھا کر اَنشان کو لے آیا. اس کے بعد وہ لیریا پر چڑھ دوڑا، اور وہاں کے بادشاہ کی فوج کو بھی شکست دی.

کوروش سنہ ۵۵۸ ق م میں باقاعدہ اور مطلق العنان بادشاہ ہو چکا تھا. لیریا کی شکست اس کے بارہ سال بعد، سنہ ۵۴۶ ق م کا واقعہ ہے. اس کے بعد اُسے ایشیائے کوچک کے یونانی ساحلی شہروں کا فتح کرنا بھی ضروری معلوم ہوا، کیوں کہ وہاں تاجر زیادہ رہتے تھے، اور مال و دولت ہاتھ آنے کی بہت توقع تھی. پھر بابل جیسی مرفہ الحال اور طاقتور سلطنت کا کچھ حصّہ بھی فتح کرنا باقی تھا، اور وہ سلطنت اس کی حریف بھی تھی. چناں چہ اس نے اَربیل کے مقام پر دریائے دجلہ کو عبور کر کے بابل پر اچانک حملہ کر کے اسے فتح کر لیا. اس کے بعد عَکّادیں بھی بغاوت کرا دی گئی، اور وہ کُل علاقہ بھی اس کے قبضے میں آگیا. مصر کا زرخیز ملک بھی اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں رہا. وہ خود تو مصر پر فوج کشی نہیں کر سکا، مگر اس کے بیٹے کمبُوجیا نے اس کی حینِ حیات ہی میں اس ملک کو زیر کرنے کے منصوبے پختہ کر لیے تھے. ابھی یہ کام پورا نہ ہونے پایا تھا کہ کوروش سنہ

۵۲۸ میں چند دشمن قبائل کے خلاف جنگ کرتے ہوئے زخمی ہوکر مرگیا.

اس میں مطلق شبہہ نہیں کہ کوروش تاریخ ایران کے نہایت جلیل القدر افراد میں سے تھا. افسوس یہ ہی کہ اس زمانے کے بہت سے تاریخی واقعات کا پتا نہیں چلتا، ورنہ ہم اس کے اور عظیم الشان کارناموں سے بھی واقف ہوکر اس کی عظمت کے اور زیادہ قائل ہوتے. جو شخص سوسیانا کی ایک زرا سی ریاست کا محض رئیس ہو، اس کے لیے تھوڑے سے عرصے میں اتنی بڑی سلطنت کا پیدا کر لینا اور خاندان ہخامنشی کا بانی بن جانا ہی اس کا کافی ثبوت ہی کہ وہ ایک بڑا سپہ سالار اور زبردست مدبّر تھا. اس نے تین بڑی بڑی سلطنتوں —— ماد، بابل اور لیدیا —— کو جو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، یہ اس کی شجاعت، بسالت، ہمت اور قوت کی دلیل ہی. ظاہر ہی کہ اس کی ان تمام فتوحات اور سلطنت سازی میں اس کی فوج اور اس کے افسروں کی شجاعت، جوانمردی اور یک جہتی کو بہت کچھ دخل ہی. اس سے یہ بھی اندازہ ہوسکتا ہی کہ کوروش نے کس خوبی کے ساتھ اپنی فوج کو منظم اور صحیح قسم کے کارگر آلاتِ جنگ سے مسلح کیا ہوگا اور ان کے دلوں میں اپنی محبت قائم رکھنے کے لیے کیا کیا کچھ جتن کیے ہوں گے. علاوہ اس سب کے، کوروش کے ذہن کی داد دینی چاہیے کہ اس نے کس خوبی سے سیاست اور دین کو اپنی تدابیر میں جمع کر لیا تھا. بابل اور اشوریا کے باشندے اس بلا کے بُت پرست اور بدنیت تھے کہ وہ اپنی مفتوح اقوام کے خداؤں کے بتوں کو اُن کے یہاں سے اٹھالاتے اور اپنے معبدوں میں رکھ لیا کرتے تھے اور اس حرکت پر بہت فخر کرتے تھے. کوروش نے بڑی ہوشمندی سے یہ تمام مورتیاں اور بُت اُن کی اصلی مالک قوموں کو واپس دے دیں. اسی طرح اس نے نہ صرف یہ کہ یہودیوں کو، جن کو اہل بابل نے ملک بدر کر دیا تھا، پھر واپس بلا لیا بلکہ اُن کے جس قدر مقدس ظروف وغیرہ بابلی لوگ لوٹ لائے تھے سب اُن کو واپس دے دیے. اس سے اندازہ ہوسکتا ہی کہ رعایا کس قدر اس کی فریفتہ ہوگئی ہوگی. اس نے بابل کے بڑے دیوتا میرودخ کا نہ صرف یہ کہ بہت احترام کیا، بلکہ از راہ دین پروری خود بھی اُس

کے مندر کا پروہت بن گیا۔ اس نے اپنی تمام رعایا کی جس قدر پرورش اور دلجوئی کی اسی کا نتیجہ تھا کہ لوگ اُسے باپ کہتے تھے اور یہودی تو آج تک اُسے قدر و منزلت کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

کمبوجیا اور بردیا

(۵۲۸ تا ۵۲۱ ق م)

کورَوش اعظم نے دو بیٹے چھوڑے: کمبوجیا اور بردیا۔ کمبوجیا اس کا جانشین ہوا، مگر چوں کہ بردیا رعایا میں زیادہ ہر دل عزیز تھا، لامحالہ کمبوجیا کو اس کی طرف سے اندیشہ تھا۔ بادشاہ ہوتے ہی کمبوجیا نے پھر مصر پر حملہ کرنا چاہا، اور چلتے ہوئے بردیا کو احتیاطاً خفیہ طور پر قتل کرا دیا۔ مگر یہ خونِ ناحق اُسے راس نہ آیا۔ کئی آدمیوں نے بردیا ہونے کا دعویٰ کیا، اور سخت فساد برپا کیا۔

اگرچہ کمبوجیا نے مصر کو جلد ہی فتح کر لیا، مگر نہ معلوم کس وجہ سے وہ ایک مدت تک دارالسلطنت سے غائب رہا۔ اس کا نتیجہ اُس کے حق میں کچھ اچھا نہ ہوا۔ رعایا اُس سے چنداں خوش نہ تھی۔ ایک شخص گوماتَ شکل صورت میں بردیا سے بہت مشابہ تھا۔ اُس نے بغاوت کی، اور کمبوجیا کی غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر کوروش کا جانشین بن بیٹھا۔ اس نے فارس اور ماد پر قبضہ کر لیا۔ اور صوبے بھی اُس کے مطیع ہو گئے۔ کمبوجیا کو جب اس کا علم ہوا تو وہ مصر سے واپس بھاگا، لیکن راستے ہی میں اُس نے سنہ ۵۲۲ ق م میں خودکشی کر لی۔ مرتے مرتے وہ یہ کہہ گیا کہ اُس نے بردیا کو قتل کرا دیا تھا، اور یہ باغی اور غاصب شخص محض فرضی بردیا ہے۔

کمبوجیا کی خودکشی کا واقعہ بھی مشکوک سا ہے۔ اب جب کہ وہ مصر سے فتحمند اور کامیاب ہو کر

واپس آرہا تھا، اور باغی گوماتت کو سزا دینا بھی اس کے لیے مشکل کام نہ تھا تو وہ خودکشی کیوں کرتا. معلوم ہوتا ہے کسی طرح کسی حادثے میں اُس کے سخت چوٹ آئی، جس کے زخم کے زہر سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور ہلاک ہو گیا.

داریوش اعظم

(۵۲۱ تا ۴۸۶ ق م)

اگر اس شخص کو ایران کا سب سے بڑا بادشاہ تسلیم نہ کیا جائے، تو بھی اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ وہ تاریخ عالم کے بڑے عظیم الشان لوگوں میں شمار ہونے کے قابل ضرور ہے. وہ سنہ ۵۵۰ ق م میں پیدا ہوا تھا، اور ہشتاسپہ ہخامنشی کا سب سے بڑا بیٹا تھا. اس کا باپ بادشاہ نہ تھا، بلکہ کمبوجیا کی محافظ تن فوج کا افسر تھا. کمبوجیا کے مرنے پر وہ اس فوج کا سپاہ سالار ہو گیا تھا جو مصر میں لڑنے گئی تھی. اسی بنا پر وہ اپنے آپ کو تخت ایران کا جائز اور صحیح وارث سمجھتا تھا. اس نے گوماتت کے مقابلے میں تخت و تاج کا مطالبہ کیا، اور اپنی رعایا کو اس غاصب کے ہاتھ سے آزادی اور سیاسی حقوق دلانے میں بڑی سرگرمی دکھائی. جو کام اس نے اپنے ذمہ لیا تھا، وہ بہت دشوار تھا. اس کے مقابل غاصب کے بھی بہت سے طرف دار تھے جو اس کی خیر خواہی کے لیے اپنی جانیں تک قربان کر دینے کو تیار تھے؛ اور اُسے بھی رعایا کو اپنے ساتھ ملا لینے اور خوش کرنے کی بہت سی تدبیریں معلوم تھیں.

داریوش نے گوماتت کے دار السلطنت پر حملہ کر کے اُسے شہر سے بھاگنے پر مجبور کیا، اور آخر اُسے گرفتار کر کے اس کے خیر خواہوں سمیت سنہ ۵۲۱ ق م میں قتل کر ڈالا. اس طرح اپنا راستہ صاف کر کے وہ تخت پر متمکن اور سلطنت ایران پر پوری طرح قابض ہو گیا. اُس نے بردیا کا نام اور گوماتت کا اثر مٹانے کے لیے گوماتت کے نافذ کیے ہوئے تمام احکام منسوخ کر دیے.

داریوش (دارا) اول

جو نئے محاصل اُس نے لگائے تھے، سب کو خلاف قانون قرار دیا' اور جو پُرانے محاصل اُس نے اٹھالیے تھے سب کو برقرار کیا۔ وہ اپنے مالی' ملکی اور فوجی حکام اور جاگیرداروں پر بہت زیادہ مہربانیاں کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے کئی آدمیوں کو بڑی بڑی بیش قرار جاگیریں عطا کیں۔

باوجود اُس کی ذاتی خوبیوں کے اس کے زمانۂ حکومت میں بہت شورشیں اور بغاوتیں ہوئیں، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کی تقریباً تمام عمر ہی بغاوتوں کے فرو کرنے میں گذری۔ مشکل یہ تھی کہ تمام بغاوتیں یکبارگی شروع ہوئیں۔ مگر وہ ایسا خوش قسمت تھا کہ ایک ایک کرکے سب مہموں میں کامیاب رہا۔ ان سب بغاوتوں کا باعث کچھ تو محاصل کی زیادتی تھی' اور کچھ یہ کہ لوگ اُسے تختِ ایران کا جائز وارث نہیں سمجھتے تھے۔ ان میں اکثر تو اسی خیال میں تھے کہ گوماتا واقعی کوروش کا صلبی بیٹا اور صحیح وارث تھا۔ مصر اور لیدیا نے داریوش کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ اس لیے اُسے کچھ بھروسا تھا تو ماد اور ایران پر تھا۔ اس کی خوش نصیبی تھی کہ باغیوں کو کوئی اچھا سرگروہ نہیں ملا۔

سوسیانا : سب سے پہلے سوسیانا نے بغاوت کی۔ سنہ ۵۲۲ ق م میں آتھرن نامی ایک شخص بادشاہ بن بیٹھا۔ غنیمت تھا کہ ایرانی فوج نے چند ہی روز میں اُس کا خاتمہ کر دیا۔ آتھرن گرفتار ہو کر آیا' اور داریوش نے اُسے قتل کر ڈالا۔

بابل : اس سے زیادہ اندیشناک بغاوت بابل کی تھی۔ وہاں ایک ہی وقت میں دو جگہ بغاوت ہوی۔ پہلی بغاوت کا سرگروہ ندنت بیرہ تھا۔ دوسری کا آرمینیا کا باشندہ ارخہ۔ یہ دونوں اپنے آپ کو نبوکدریزر کہلاتے تھے۔ ان کو فرو کرنے کے لیے داریوش خود نکلا۔ اگرچہ دجلہ میں دشمنوں کا ایک بیڑا بھی موجود تھا' مگر داریوش اپنے اسپ سوار اور شتر سوار لے کر اُن کے سر پر جا پہنچا۔ پہلے دجلہ کے کنارے لڑائی ہوی' پھر زازانہ پر' اور یہ دونوں غالباً سنہ ۵۲۱ اور ۵۲۰ ق م کے موسم سرما ہی میں ہوئیں۔ ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں' اور آخرکار ندنت بیرہ کی فوج کو شکست ہوی اور وہ خود بھی گرفتار ہوگیا۔ داریوش اُسے اپنے ہمراہ

بابل لے گیا، اور وہاں پہنچ کر اُسے قتل کر ڈالا. البتہ بابل کے باشندے ہر قسم کی سزا سے محفوظ رہے.

اس کے بعد جب داریوش ماد اور فارس کی طرف متوجہ ہوا، تو اہلِ بابل نے پھر ایک مرتبہ آزادی کی کوشش کی. اس مرتبہ آرخہ اُن کا سرگروہ ہوا، اور اس نے بھی یہی ظاہر کیا کہ وہ نبوکدریزر ہے. اِنتافرن نام ایک شخص کو اس باغی کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا. اُس نے آرخہ کو شکست دی، اور شہرِ بابل کے شارعِ عام پر اُسے سُولی پر لٹکا دیا تاکہ اہلِ شہر کو عبرت ہو اور پھر کوئی بابل کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ نہ کرے.

اِدھر تو یہ ہو رہا تھا، اُدھر سوسیانا، اشوریا، پارتھیا، مرگیانا، ستگیدیا اور سیتھیا کے صوبوں میں بغاوتیں شروع ہو گئیں، گویا ساری سلطنت باغیوں کا ایک اکھاڑا بن گئی. مرتیا نامی ایک شخص نے سوسیانا میں بادشاہت کا دعویٰ کیا. مگر باغیوں کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی اور مرتیا کو سولی دے دی گئی.

ماد: اب ماد کی باری آئی. وہاں کی حالت بہت سقیم تھی. فراورت نام ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ وہ وہاں کے پُرانے بادشاہ ہُوَخ شَتَر کی اولاد میں ہونے کے سبب سے ماد کے تاج کا حق دار ہے. داریوش نے ایک مختصر سی فوج اس طرف روانہ کر دی. پہلی جنگ مارود پر ہوئی، مگر شکست و فتح کا کچھ فیصلہ نہ ہو سکا. داریوش نے اُس سپاہ سالار کو معزول کر کے ایک اور سپاہ سالار کو بھیجا جو آرمینیا کا باشندہ تھا. اُس نے آرمینیا کی طرف سے باغی کا راستہ روک دیا. تین چار مقامات پر جنگ ہوئی، مگر جب اس نے دیکھا کہ کامیابی مشکل ہے، تو داریوش سے اور کمک کی درخواست کی. داریوش نے پھر ایک نیا سپہ سالار مقرر کیا. ایک طرف سے اُسے روانہ کیا، اور دوسری طرف سے خود ایک لشکر لے کر حملہ آور ہوا. دشمن کُندرو کے مقام پر ان دونوں فوجوں کے نرغے میں پھنس گیا، اور آخر شکست کھا کر بھاگا، مگر گرفتار ہوا. پہلے تو اُس کے ہاتھ پاؤں، ناک

کان کاٹ کر اُسے بالکل مسخ کر دیا گیا، پھر ہمدان میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔

سگرتیا: وہاں بھی ایک شخص نے بادشاہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ مگر اُسے بھی شکست ہوئی، پکڑا گیا، اور بڑی سخت سخت سزائیں بھگتنے کے بعد اربیلا میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔

پارتھیا اور ہرکانیا: ان دونوں صوبوں نے فراورت کی حمایت میں بغاوت کی۔ پارتھیا میں خود داریوش کا باپ ہشتاسپ سپہ سالار تھا۔ اُسے باغیوں کے مقابلے میں ناکامی ہوئی، تو داریوش نے کمک بھیجی۔ آخر پتگربنا مقام پر باغی کو شکست فاش ہوئی، اور وہ صوبہ پوری طرح داریوش کے قبضے میں آگیا۔

مرگیانا: اس صوبے کے باشندوں نے فراد نام ایک شخص کی سرکردگی میں بغاوت کی۔ اُس کی سرکوبی کے لیے باختر کے صوبے دار دادرش کو بھیجا گیا، جس نے جلد ہی اِس بغاوت کا خاتمہ کر کے امن امان قائم کر دیا، اور اس صوبے پر بھی داریوش کا اقتدار قائم ہوگیا۔ داریوش اپنے ایک کتبے میں بڑے فخر سے کہتا ہے کہ "یہ ہے جو میں نے باختر میں کیا!"

یوتیا: لوگ ابھی تک کورش کے بیٹے بردیا کو نہیں بھولے تھے۔ چنانچہ جب وہیزدات نام ایک شخص نے بردیا ہونے کا دعویٰ کیا، تو لوگ اس کی حمایت کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگ بردیا کے کچھ اس طرح گرویدہ تھے کہ خود داریوش کی فوج کے کچھ آدمی بھی باغیوں سے جا ملے، اور اُس نئے دغاباز کا ساتھ دیا۔ داریوش نے فوراً ایک تازہ فوج تیار کی جو میدی سپاہیوں پر مشتمل تھی، اور پہلے رخا کے مقام پر اور پھر کوہ پرگ پر باغیوں کو سخت شکست دی۔ باغیوں کے دغاباز سردار وہیزدات یعنی نباد ٹی بردیا کو، مع اُس کے حامیوں کے سُولی دی گئی۔ یوں اس بغاوت کا خاتمہ ہوا۔

ارکوسیا: یوتیا کی بغاوت سے پہلے ہی وہیزدات نے داریوش کے صوبیدار ویوان کے خلاف ایک مہم بھیج رکھی تھی۔ دو میدانوں میں لڑائی برپا ہوئی۔ ویوان کی فوج جان توڑ کر لڑی، اور دونوں بار فتحمند ہوئی۔ وہیزدات کی فوج کا سالار آخر میں گرفتار ہوا، اور وہ اور اُس

کے بڑے بڑے حامی سب کے سب قتل ہوئے۔

ہندوستان: وہیزدات کی بغاوت اور شکست ہی کے زمانے میں داریوش نے ہندستان کو بھی فتح کیا۔ مشہور مؤرخ ہیرودوت کے قول کے مطابق ہندوستانی لوگ کہیں علاقہ کسپاپیرم کے قریب اور اُس کے اردگرد آباد تھے۔ ان لوگوں کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ لیکن داریوش کے آخر والے کتبے میں لکھا ہی کہ ہندستان ارکوسیا اور گندار کے درمیان میں کہیں تھا۔ ایک اور مصنف پُراشک لکھتا ہی کہ یہ ہندستان کہیں کابل کی وادی کے قریب واقع تھا۔ بہرحال ہندستان کی فتح کا یہ واقعہ کہیں سنہ ۵۱۸ تا ۵۱۰ ق م کا معلوم ہوتا ہی۔ تعجب کی بات یہ ہی کہ کوہ بہستون کے کتبے میں مفتوح ملکوں کی جو فہرست دی گئی ہی، اس میں ہندوستان کا نام نہیں ہی؛ لیکن داریوش کے کتبے میں ایک مقام کا نام ہندش لکھا ہی اور اسے ارکوسیا اور گندار کے مابین واقع بتایا گیا ہی؛ مگر اسی بادشاہ کے نقش رستم والے کتبے میں گندار اور سیتھیا کے درمیان کہا گیا ہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ ہندستان کی فتح داریوش کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں نہیں ہوئی، گو یہ ممکن ہی کہ سیتھیا کی مہم سے پہلے ہی ہوئی ہو۔ مؤرخ ہیرودوت کا بیان ہی کہ داریوش پنجاب تک پہنچا تھا اور وہاں ایک بڑا علاقہ فتح کرلیا تھا۔ وہیں اُس نے ایک 'بیڑا بنایا' اور اُسی میں بیٹھ کر دریائے سندھ کے راستے سے مکران اور عرب ہوکر اپنے وطن کو واپس گیا۔

یہودیہ: یہ سب کچھ جو ہو رہا تھا اس سے یہودی بہت خوش تھے۔ کوروش نے اُنھیں اجازت دے دی تھی کہ وہ واپس جاکر اپنا صدر مقام اور معبد بنالیں۔ ان میں قومی وقار اور آزادی بھی آگئی تھی۔ ان لوگوں کی، ترقی اور آزادی کی خواہش ماوراء النہر علاقے کے صوبیدار وِشتنہ کی نگاہ سے چھپی ہوئی نہ تھی۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ یہودی لوگ سلطنت فارس کے لیے سخت خطرے کا باعث ہو سکتے ہیں؛ اس لیے اُس نے حکم دیا کہ وہ یروشلم میں اپنے معبد کی تعمیر روک دیں۔ یہودیوں نے اس حکم کے خلاف بادشاہ سے مرافعہ

کیا. بادشاہ نے نہ صرف یہ کہ تعمیر کو جاری رکھنے کی اجازت دے دی، بلکہ یہودیوں کے دشمنوں اور مخالفوں کے نام حکم صادر کیا کہ وہ یہودیوں کی مدد کریں۔ داریوش نے احتیاطاً اُن کے یہاں ان کے علماے ملت کی رسم کی بھی تجدید کی۔ اس میں یہ مصلحت تھی کہ ان میں کہیں قومیت کے خیالات اتنے بلند نہ ہوجائیں کہ وہ سلطنت کو خطرے میں ڈال دیں۔ انھیں علماء ملت کو اس نے یہودیوں کی قومی بلند نظری کو روکے رکھنے کا آلہ بنا رکھا!

مصر: مصر نے اگرچہ کھلی کھلی بغاوت نہیں کی، مگر وہاں کا حاکم آرئند اس قدر مغرور اور سرکش ہوگیا تھا کہ جب داریوش نے اُس سے بغاوتوں کے فرو کرنے کے لیے کمک مانگی تو اُس نے صاف انکار کر دیا۔ اپنی رعایا سے بھی وہ ایسی سختی کا برتاؤ کرتا تھا کہ بعض موقعوں پر وہ بے رحمی کی حد تک پہنچ جاتی تھی۔ یونانی شہر بارکے میں بغاوت ہوئی، اور وہاں کے باشندوں نے اپنے حاکم بادشاہ کو قتل کر ڈالا۔ مقتول کی ماں نے آرئند سے مدد مانگی۔ اُس کی فوج نے بُری طرح شکست کھائی اور فرار کرنے پر مجبور ہوگئی۔ لیکن بعد میں شہر پر دھوکے سے قبضہ کر لیا گیا۔ اُس کے سپاہ سالار اماسیس نے شہر ہیسرین پر قبضہ کرنا چاہا، مگر نہ ہوسکا۔ یہ واقعہ سنہ ۵۱۰ ق م کا ہے۔ داریوش غالباً اُس وقت مصر ہی میں تھا۔ انجام کار آرئند کو سولی دے دی گئی، اور یہودیہ کی طرح مصر میں بھی علماء ملت کو حکومت میں بہت کچھ دخیل کر دیا گیا تاکہ اُن کے ذریعے اچھی طرح حکومت ہوسکے۔ چنانچہ سائس کے بڑے مقتدا کو حکومت کا ایک بڑا عہدہ دیا گیا۔ دیگر مفتوح مقامات کی طرح وہاں بھی داریوش نے اہلِ مصر کو مذہبی امور اور رسوم میں بہت کچھ آزادی عطا کی؛ یہاں تک کہ اُس نے وہاں کے دیوتاؤں کے نام پر ایک مندر بنایا، اور حکم عام جاری کر دیا کہ دیوتاؤں کا پورا پورا احترام اور ادب برقرار رکھا جائے۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے جو کچھ تلوار سے نہ ہوسکتا تھا ان تدبیروں سے کیا گیا۔

سردیس: اسی زمانے میں سردیس کے صوبہ دار اعظم اوروت نے آزاد ہو کر اپنی جداگانہ

حکومت قائم کرنا چاہی، اور فارس کے ایک ہزار سپاہی اپنے محافظ تن مقرر کر کے داریوش کی حکم برداری سے آزاد ہونے کا اعلان کر دیا۔ داریوش نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائے، مگر اُس کے دماغ میں آزادی کی کچھ ایسی ہوا بھری تھی کہ اُس نے ایک نہ سُنی، بلکہ داریوش کے ایلچیوں کو بھی قتل کرادیا۔ آخر داریوش نے بگاسے نام ایک شخص کو وہاں بھیجا کہ وہ بچشم خود وہاں کی حالت کا معائنہ کرے اور اگر ہو سکے تو اُس باغی کا خاتمہ کر دے۔ چنانچہ بگاسے وہاں پہنچ کر ادروت کے محافظانِ تن سے گھل مل گیا، اور جب خود اُس کے اِن جان نثار خیر خواہوں کو اُس پر اعتماد نہ رہا تو انھیں معتبر لوگوں نے اُسے قتل کر کے ختم کر دیا۔

سوسیانا کی دوسری بغاوت: سوسیانا والوں نے بابل کی دوسری بغاوت دیکھ کر خود بھی دوبارہ بغاوت کر دی۔ اب کے ایک شخص اَت ہَیت ان کا سرگروہ بنا۔ شاہی فوجوں نے باغیوں کو شکست دی، اور اُس باغی کے خون سے اس سرکشی کا دھبّہ دھویا گیا۔

غرض کہ اب کہیں جا کر داریوش کو چین نصیب ہوا، اور اب وہ دعویٰ کرنے کے قابل ہوا کہ ایک طرف دریائے نیل سے پروپون تس تک، اور دریائے سندھ سے دریائے جیحون تک، کی وسیع سرزمین پر اُس کی حکومت قائم تھی۔ اپنی تخت نشینی سے لے کر اب تک اُس نے خود بنفس نفیس اُنیس لڑائیاں لڑی تھیں۔ اس کے کتبوں میں تیس ملکوں کے نام ملتے ہیں، جو اُس کے قبضے میں تھے۔ اس کے آخری کتبے کے الفاظ یہ ہیں:

"اے وہ لوگو جو آئندہ بادشاہ ہو گے! تم اپنے آپ کو دروغ سے بچانا۔ دغاباز آدمی کو قرار واقعی طور پر سزا دینا۔ اگر تم یہ کرو گے تو میرا ملک ہمیشہ محفوظ رہے گا!"

مؤرخ ہیرودوت کے قول کے مطابق داریوش مصر کی مہم میں کمبوجیا کے ہمراہ تھا، اور ابھی تیس سال ہی کا تھا کہ (سنہ ۵۲۱ میں) بادشاہ ہو گیا تھا۔ چھتیس برس تک اُس نے متعدد لڑائیاں لڑیں، بغاوتیں فرو کیں، تمام سلطنت کو زیر نگین کر کے دوبارہ امن وامان

قائم کیا، اور نہایت قابلیت اور خوبی سے حکومت کر کے سنہ ۴۸۶ ق م میں مر گیا اور نقش رستم میں دفن ہوا۔

اس زمانے کے دستور کے مطابق داریوش کی کئی بیویاں تھیں۔ اس کے بارہ بیٹوں کے ناموں سے تاریخ آشنا ہی؛ مگر چھ بیٹوں میں سے صرف دو، یعنی مَنداَنہ اور اَمی تیس کے نام معلوم ہوے ہیں۔ بہت کچھ غور اور تامل کے بعد اُس نے فیصلہ کیا کہ اُس کے بعد اس کا بیٹا خشایارشا (شہریار) اس کا جانشین ہو۔ اس کی موت سے دنیاے قدیم کی ایک عظیم الشان ہستی تہ خاک ردپوش ہو گئی۔

داریوش نے سَردیس سے شوسا تک ایک شاہ راہ بنائی تھی، جس کا طول ڈیڑھ ہزار میل تھا، اور پیدل مسافر کے لیے تین مہینے کا راستہ تھا۔ سَردیس سے شروع ہو کر یہ سڑک فریگیا کو پار کرتی ہوی ہَلیس پہنچتی تھی۔ پھر وہاں سے جنوب کی طرف مائل ہو کر پہاڑوں کو پار کرتی ہوی دریاے فرات تک جاتی تھی۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر نینوی پر دجلہ کو پار کر کے شوسا پہنچ جاتی تھی۔ اس پر جگہ جگہ ڈاک کی چوکیاں اور قیام گاہیں تھیں جہاں فوجی پہرہ رہتا تھا۔ پہاڑی راستوں اور گھاٹیوں میں حفاظت کے لیے گڑھیاں بنی ہوی تھیں۔ ڈاک چوکیوں پر ہر وقت گھوڑے تیار رہتے تھے؛ اور قاصد ایک دوسرے کو احکام پہنچاتے اور لاتے لے جاتے رہتے تھے۔ اس وقت کی زبان میں یہ سواری ڈاک کا انتظام اَنگَروُن کہلاتا تھا۔ مؤرخ ہیرودوت لکھتا ہی کہ "کوئی فانی ہستی اِن ایرانی قاصدوں کی طرح تیزی سے سفر نہیں کر سکتی۔ یہ تمام نظام ایرانی ایجاد ہی؛ اور اس کا اسلوب یہ ہی کہ پوری سڑک پر ایک سرے سے دوسرے تک آدمی اور گھوڑے تعینات ہیں۔ اُن کی تعداد اتنی ہی ہوتی ہی جتنے دنوں میں یہ سفر طے ہوتا ہی، یعنی ایک دن کے لیے ایک آدمی اور ایک گھوڑا ہوتا ہی۔ برف باری، بارش، گرمی، رات کی تاریکی، کوئی چیز بھی ان لوگوں کو پوری تیزی کے ساتھ اپنے فرض کی انجام دہی سے نہیں روکتی۔ پہلا قاصد اپنی ڈاک دوسرے کے

حوالے کر دیتا ہی، دوسرا تیسرے کو، اور اسی طرح ڈاک پورا راستہ طے کر کے اپنے مقام تک پہنچ جاتی ہی، بالکل جس طرح یونانیوں کے وُلکَن دیوتا کے جشن میں مشعلوں کی دوڑ میں روشنی ایک سرے سے دوسرے تک پہنچا کرتی ہی۔ ایرانی لوگ اس سواری ڈاک کو انگرُون کہتے ہیں"۔ غرض یہ کہ اس سڑک کے بن جانے سے مشرق سے مغرب کی طرف فوجوں کے کوچ کرنے اور ان کو سامانِ رسد پہنچانے میں کیسی کچھ آسانیاں پیدا ہوگئی ہوں گی۔ اسی طرح داریوش نے مصر میں دریائے نیل اور بحیرۂ احمر کو ایک نہر کے ذریعے ملا دیا تھا، یا شاید اُس نے اس پُرانی اور پٹی ہوئی نہر کو دوبارہ کھدوایا تھا۔ تاہم یہ بھی اس کا ایک کارنامہ تھا کہ اس نے بحیرۂ شام اور بحرِ ہند کو یوں ملا دیا تھا! اس نے شہر ثیبز (مصر) کے نخلستان میں عمّون خدا کے نام پر ایک معبد بھی بنایا تھا جس کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔ مگر سنہ ۴۸۶ میں کاشتکاروں نے سنگین ٹیکسوں سے تنگ آکر سرکشی شروع کر دی تھی۔ داریوش ابھی اس کا بندوبست نہ کرنے پایا تھا کہ اسی سال، چھتیس برس حکمرانی کر کے، مر گیا۔

داریوش سچائی کا دلدادہ، سب پر رحیم، مہربان اور ایک زبردست اور سربلند شخصیت کا مالک، اور بلاشک اپنے زمانے کے بادشاہوں اور حکمرانوں کا بہترین نمونہ تھا۔

خُشایارشا اوّل

(۴۸۶ تا ۴۶۵ ق م)

داریوش اعظم کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا خُشایارشا سنہ ۴۸۶ ق م میں پینتیس سال کی عمر میں ایران کے تخت پر بیٹھا۔ وہ نہایت درجہ حسین، قوی ہیکل اور بارعب شخص

تھا۔ بلند نظری اس کی خلقت میں تھی۔ گو اس کی نیت کسی طرح بُری نہ تھی، مگر افسوس کہ چند ہی روز میں اُس کے درباری اُس پر حاوی ہو گئے، اور وہ دربار کے معاند فریقوں کی سازشوں کا شکار ہو گیا۔

سب سے پہلے یونان کا سوال اُس کے سامنے پیش ہوا، اور یہی اہلِ دربار اور اُمَراء کے لیے آپس کی چشمک اور ایک دوسرے کے خلاف سازش کا مرکز بن گیا۔ سلطنت میں دو فریق تھے۔ ایک کہتا تھا کہ اب اچھا موقع ہے، یونان پر فوج کشی کر کے اُسے ضرور فتح کر لینا اور سلطنت ایران میں ملا لینا چاہیے، مگر دوسرا فریق اس کے خلاف تھا اور ہر طرح سے اس کوشش میں مصروف تھا کہ یونان کے بارے میں وہ تمام اُمورِ عمل میں نہ آئیں جو خود داریوش نے سوچ کر طے کر رکھے تھے۔ خشایارشا نے پہلے فریق سے اتفاق کیا، اور یونان کی فتح کی تیاریاں شروع کر دیں۔

مگر ابھی یہ سب تیاریاں ہو ہی رہی تھیں کہ خشایارشا کو بابل کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔ اُسے اپنی سلطنت کی مضبوطی اور وسعت کی کچھ ایسی دھن تھی، اور وہ خود اپنی شان و شوکت اور عظمت قائم کرنے کا کچھ ایسا متوالا تھا کہ اس نے ایسی غلط تدابیر اختیار کیں کہ وہ اور بھی زیادہ مشکلات میں پھنستا چلا گیا۔ من جملہ ان تدابیر کے ایک یہ تھی کہ اس کے بزرگ خود کو "شاہِ بابل" کہلاتے تھے، اس نے یہ خطاب ترک کر دیا، اور بابل کو محض ایک صوبے یا ایالت کی شکل میں کر دیا۔ اہلِ بابل اس ذلت کو کیوں کر برداشت کر سکتے تھے؟ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس نئے بادشاہ سے ناراض ہو گئے اور بغاوت کر دی۔ مگر اُن کی یہ بغاوت فرو کر دی گئی۔ کتبوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ خشایارشا کو بابل میں یکے بعد دیگرے دو باغیوں سے مقابلہ کرنا پڑا تھا، جو بابل کو ایران کے پنجے سے آزاد کرانے کے لیے بادشاہی کا دعویٰ کر کے اُٹھے تھے۔ ان بغاوتوں کے فرو کرنے کے بعد خشایارشا نے بابل پر نہایت جبر و ظلم کے ساتھ حکومت کی۔ اس کو اپنے باپ داریوش کی سی عقل، دور بینی اور حکمت

عملی کہاں نصیب تھی۔

ایک مرتبہ جب وہ بابل میں مقیم تھا، تو اس نے ایک قبر کو دیکھنا چاہا۔ چوں کہ اہل بابل اُسے ایک مقدس مقام سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے اُسے اس ارادے سے باز رکھنا چاہا، مگر وہ نہ مانا اور دیکھنے پر اصرار کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بابل میں ایک دفعہ پھر بغاوت ہوی۔ مگر یہ بھی آسانی سے دبادی گئی اور ان کی مخالفت کا خاتمہ ہوگیا۔

سنہ ۴۸۵ ق م میں مصریوں نے پھر بغاوت کی، اور بادشاہ ایران کو پھر تلوار سے کام لینا پڑا۔ خشایارشا ایک جرار فوج ہمراہ لے کر خود مصر پر حملہ آور ہوا، اور بغاوت کو کچل ڈالا۔ اس کے بعد اس نے مصر کو یہ سزا دی کہ اس سے وہ برائے نام آزادی بھی چھین لی جو اُس وقت اُسے حاصل تھی، اور وہ ملک بھی دوسرے ممالک کی طرح ایران کا ایک صوبہ بن کے رہ گیا!

یونان پر بھی خشایارشا کا دانت تھا، اور وہ چاہتا تھا کہ وہ ملک بھی اُس کی وسیع سلطنت کا ایک صوبہ بن جاے۔ مگر وہاں کا نقشہ بالکل دگرگوں رہا۔ خشایارشا نے بنفس نفیس ایک زبردست اور مہیب لشکر لے کر یونان پر حملہ کیا؛ مگر تھرموپلی کی خوں ریز جنگ اور سلامیس کی شکست سے اُسے بخوبی اندازہ ہوگیا کہ یونان کا فتح کرنا معمولی بات نہ تھی۔ اس شکست کے بعد اُس کی ہمت ایسی ٹوٹی کہ پھر اُدھر کا رخ نہیں کیا۔

خشایارشا نے اکیس برس حکومت کی۔ یہ مدت کچھ کم نہ تھی؛ مگر افسوس ہی کہ اُس کا آخری زمانہ محض عیش اور آرام طلبی میں گذرا۔ حکومت اور سلطنت کا انصرام تقریباً تمام تر اس کے منظور نظر اُمراء کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔ سچ یہ ہی کہ داریوش کی دور بینی اور پیش بندی ہی کا فیض تھا کہ سلطنت ایران اُس کے بعد اتنے عرصے تک پابرجا رہی۔ خشایارشا مزاج کا ناہموار اور متلون تھا، اور خود اپنے بنائے ہوے قوانین کا بھی اُسے پاس نہ تھا۔ مؤرخ ہیرودت کے بیان سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس کا دربار سازشوں اور

ریشہ دوانیوں کا ایک اکھاڑا تھا. اُس کے مکار، فطرتی، چال باز امیر اور درباری ہر قسم کی ذلیل اور ظالمانہ چالیں چل کر اپنے مقصد حاصل کرتے تھے. صاف نظر آرہا تھا کہ اُس کے باپ کی مضبوط اور محکم سلطنت کے پرزے ڈھیلے ہوتے جارہے ہیں، اور اگر چند دے اور یہی حال رہا تو تھوڑے دنوں میں اس کا خاتمہ ہو جاے گا.

جب یونان میں شاہی افواج کی شکست کی خبر سُوسا پہنچی، تو خشایارشا کو قتل کر دینے کی سازش کی گئی، جس کا سردار خود اُس کا منظور نظر امیر اَرتَبان تھا. ان نمک حراموں نے نہ صرف خشایارشا کو، بلکہ اُس کے بڑے بیٹے داریوش کو بھی تلوار کے گھاٹ اتارا. یہ اغلب امر ہی کہ بادشاہ کا چھوٹا بیٹا اردشیر بھی اپنے باپ اور بھائی کے اس قتل کی سازش میں برابر کا شریک تھا.

گو اس میں شبہہ نہیں کہ خشایارشا کے وقت میں خود ایران کی اندرونی حالت اور حکومت کی کیفیت معقول اور مامون تھی، مگر یہ بھی شاید اس کے باپ کے حُسن تدبیر اور کمال قابلیت کا نتیجہ تھا؛ کیوں کہ خشایارشا نے خود جو تدبیریں اختیار کیں اور اپنی راے اور مرضی سے جو کچھ کرنا چاہا اُس میں اُسے عموماً ناکامی ہی کا مُنہ دیکھنا پڑا. افسوس کی بات یہ ہی کہ اُس کے بعد اُس کے جانشین بھی اُسی کی طرح ڈھیلے ڈھالے اور آرام طلب سے تھے. اس کے بعد سنہ ۴۶۵ ق م میں اُس کا تیسرا بیٹا اَرتَخشَتر (اردشیر) اس کا جانشین ہوا. یہ وہی بیٹا تھا جو اُس کے قتل کی سازش میں شریک تھا، اور درگ دست (دراز دست) بھی کہلاتا تھا

اَرتَخشَتر اوّل (اردشیر درازدست)

(۴۶۵ تا ۴۲۴ ق م)

خشایارشا کے قتل کی سازش میں اَرَدوان پیش پیش تھا. اب کہ اَرتَخشَتر تخت پر بیٹھا تو اُسے یہ اُمید تھی کہ وہ بادشاہ پر حاوی رہ کر تمام ملک پر خود حکومت کرے گا. ارتخشتر کو یہ کب گوارا ہو سکتا تھا؟ چنانچہ جب وہ سختی سے مانع ہوا' تو دونوں طرف سے کشاکش شروع ہو گئی. نتیجہ یہ ہوا کہ اردوان مصر چلا گیا. اہلِ مصر نے اس کی حمایت کی اور وہ وہاں کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا. لیکن ابھی اُسے سات مہینے ہی اس خودسری کی حکومت کرتے گزرے تھے کہ ارتخشتر خود مصر پہنچا اور اُسے وہاں سے نکال باہر کیا.

مصر کی اس شورش کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ تمام سلطنت میں خودسری اور ابتری کی ہوا پھیل گئی. خود بادشاہ کا بھائی ہشتاسپ جو باختر کا صوبے دار تھا اور بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا تھا' باغی ہو گیا. مگر دو مرتبہ کی سخت شکست نے نہ صرف اُس کی ہوس کا خاتمہ کر دیا' بلکہ خود اُس کا نام بھی صفحۂ تاریخ سے مٹا دیا.

گو مصر سے اردوان کو خارج کر دیا گیا تھا' مگر وہ ملک اب بھی پُرامن نہ تھا. خشایارشا نے یونان میں جو شکست کھائی تھی' اس سے مصریوں نے فائدہ اٹھایا' اور وہ از سرِ نو اپنے آپ کو آزاد کرانے کی فکر میں لگ گئے. چنانچہ اِناروس نام ایک شخص کو تخت پر بٹھا کر اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا. ایرانی حاکم ہخامنش فوراً اس بغاوت کی خبر لے کر شوسا پہنچا' اور وہاں سے ایک نہایت جرار اور زبردست فوج ہمراہ لے کر مصر کو واپس گیا.

جنگ میں مصریوں نے یونانیوں کی مدد سے ایرانی فوج کو شکست دی' اور اُن کا سردار ہخامنش بھی لڑائی میں کام آیا. ایران کے پایۂ تخت شوسا میں یہ خبر پہنچی تو وہاں ایک سناٹا

چھا گیا. مگر جلد ہی ایک اور مہیب فوج تیار کر کے شام کے راستے سے مصر کی طرف روانہ کی گئی. دشمن دریائے نیل کی ایک نہر میں تھے. ایرانیوں نے اُس کا بند توڑ دیا. مصری فوج وہیں گھر گئی اور شکست فاش کھائی. ایرانیوں نے اس کا بیڑا جلا دیا. اناروس گرفتار ہوا، اور سوسا بھیج دیا گیا. لیکن ابھی اُن میں دم خم باقی تھا. انھوں نے یونانیوں کی مدد سے ایک اور شخص کو بادشاہ بنا دیا. تاہم مصر کہاں تک ایران کا مقابلہ کرتا؛ انجام کار تھک کے ہار گیا. نیا بادشاہ بھی گرفتار ہوا. مگر ارتخشتر نے باغیوں کے ساتھ ایسے انصاف اور رحم دلی سے سلوک کیا کہ وہ مصر میں جلد ہی ہر دل عزیز ہو گیا.

یہ واقعات ایسے نہ تھے کہ دوسرے صوبوں پر ان کا اثر نہ ہوتا. اب شام کی باری تھی. مگر وہاں کے باغی ابھی پوری طرح شمشیر بہ کف بھی نہ ہوئے تھے کہ صلح ہو گئی اور امن قائم ہو گیا.

ارتخشتر ہی کے زمانے میں وہ واقعہ ہوا جس کا ذکر یہودیوں کی دینی تاریخ میں ہی کہ اُن کو دوسری دفعہ جلاوطنی کے بعد اپنے وطن کو واپس جانے کی اجازت ملی. ایک یہودی نحمیاہ کو بادشاہ کے مزاج میں اتنا درخور حاصل تھا کہ اُس نے نہ صرف یہ کہ اپنی قوم کو اپنے وطن ہی بھجوا دیا، بلکہ وہاں اپنی مقدس عمارتوں کے بنا لینے کی اجازت بھی دلوا دی.

یونان کی طرف سے بادشاہ کو برابر خدشہ چلا آتا تھا، ان سے صُلح ہو گئی. ایرانیوں نے تھریس، یونیا اور دوسرے علاقے واپس دے دیے، اور اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے چند مقامات اپنے پاس رکھے.

ارتخشتر کے ملک کی اندرونی تدابیر کے بارے میں ہمیں کچھ زیادہ علم نہیں ہی. پہلے تو وہ اپنے پایۂ تخت سوسا ہی میں رہتا تھا، مگر بعد میں اس نے بابل میں اپنے لیے ایک

محل بنوالیاتھا۔ اپنی ذات سے وہ ایک سرو قد، خوب صورت، باوقار، رحم دل اور فیض رساں شخص تھا۔ اس کے ذاتی صفات ایسے تھے کہ وہ دارَیوش اعظم کا صحیح جانشین ہوتا۔ وہ اکتالیس برس حکمرانی کرکے سنہ ۴۲۴ ق م میں دنیا سے سدھارا۔

عام کیفیت

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دو ہی پشتوں میں دارَیوش اعظم کے اثر کا خاتمہ ہوگیا۔ نہ بادشاہ میں جفاکشی رہی، نہ رعیت نوازی، نہ سیاست، نہ عدل و رحم۔ ارتخشتر کے بعد زوال کی وہ تمام علامتیں صاف طور پر نظر آنے لگیں، جو مال و دولت کے وفور اور کامیابی و کامرانی اور تعیش کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔ سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہوتی دکھائی دیتی تھیں۔

بادشاہوں کی حالت یہ تھی کہ سستی، عیش پرستی اور شہوت رانی اُن کا تمغاے امتیاز تھی۔ وہ اپنے محلوں سے مشکل ہی سے نکلتے تھے۔ عورتیں اور خوشامدی اُنھیں گھیرے رہتے تھے۔ اس پر غضب یہ تھا کہ دولت اور فضول خرچی کی افراط تھی۔

ارتخشتر کے بعد جو بادشاہ تخت نشین ہوے وہ بالکل معمولی قابلیت کے آدمی تھے! سلطنت کا بار اٹھانا قطعی اُن کے مان کا نہ تھا، سپہ سالاری اور میدانِ جنگ کی سختیاں جھیلنا تو کجا۔ ان کے لیے اتنا ہی فخر کافی تھا کہ وہ شاہنشاہ کہلاتے تھے، اور اسی میں مگن تھے۔ خود میں حکومت کی قابلیت نہ تھی، اور تمام اختیارات ارکین سلطنت کے ہاتھ میں تھے۔ بڑے بڑے عہدے بلالحاظ لیاقت و قابلیت اُن کو ملتے تھے جو محل کی عورتوں، خواجہ سراؤں وغیرہ کے سفارشی ہوں۔ محلوں میں سازشوں کی گرم بازاری تھی، اور حکام کا عزل ونصب عورتوں کے ہاتھ میں تھا۔

اگر کوئی وفادار اتنی ہمت کرتا کہ بادشاہ تک پہنچ کر اصل حال عرض کرتا تو وہ مار ڈالا جاتا تھا؛ یا اگر قوی دست ہوتا تو کسی دور دراز مقام پر پھینک دیا جاتا۔ سپاہ سالاروں کو ایسے احکام دیے جاتے تھے کہ وہ فتوحات کے ناقابل رہتے' یا ایسے موقعے اُن کے ہاتھ سے نکل ہی جاتے' یا پہلے حکم کے خلاف اُنھیں کوئی ایسا حکم ملتا تھا کہ اُن کے سارے کیے دھرے پر پانی پھر جاتا تھا؛ پھر ستم یہ کہ انھیں پر ساری ذمہ داری بھی عائد ہوتی تھی۔

ایران کی سلطنت اس وقت دریائے گنگا سے بحر ایجیئن تک پھیلی ہوی تھی۔ اُس میں مختلف اقوام کے لوگ آباد تھے' جنھوں نے کبھی اپنے بادشاہوں کی صورتیں تک نہ دیکھی تھیں۔ انھیں کسی بادشاہ کے وجود کا احساس تھا تو صرف ناقابلِ برداشت محاصل یا گورنروں اور صوبے داروں کے ظلم و غرور کی وجہ سے۔ اگر کوئی مصائب برداشت کر کے اپنی تکالیف بادشاہ کے گوش گزار کرنے کی غرض سے دور دراز دار السلطنت تک پہنچتا بھی تو اُسے باریابی نصیب نہ ہوتی تھی' کیوں کہ بادشاہ پردے میں رہتا تھا۔ تمام رعایا کی یہ کیفیت تھی کہ نہ اُن کے آپس میں زبان کا اتحاد تھا نہ راہ و رسوم کا' نہ دین مذہب کا' نہ مقاصد و فوائد کا۔ ایسی رعایا کو صرف ایسا ہی شخص قابو میں رکھ سکتا تھا جو ایک ہاتھ سے تلوار دکھاتا اور دوسرے سے زرپاشی کرتا۔ اور وہاں یہ دونوں باتیں مفقود تھیں۔ زمانہ گزرتا جاتا تھا' اور اُس کے ساتھ ساتھ اختیارات کا بُرا اور بے جا استعمال' غرور' تجبر' خود نمائی' زبردستی اور جبر' عیش و عشرت بڑھتی جاتی تھی۔ اُن میں سے اکثر امور کے لیے بے جا اور کثیر مصارف کی ضرورت ہوتی تھی؛ اور یہ سب' اکثر بادشاہ کی اطلاع اور اجازت کے بغیر' غریب رعایا کی جیبوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ جب یہ حالت ہو تو اس پر تعجب کیوں کیا جائے کہ رعایا میں سے کسی کو فکر نہ تھی کہ سلطنت رہے یا جائے' اور بادشاہ جیے یا مرے۔

خشایارشا دوم

(۴۲۴ ق م)

خشایارشا سنہ ۴۲۴ میں اپنے باپ کا جانشین ہوا، مگر صرف پینتالیس روز حکومت کرنے پایا تھا کہ تیغ سازشں سے قتل ہوا۔

اس کے ایک ولدالحرام بھائی سُگدیان کو سلطنت کی ہوس تھی، اور وہ بادشاہ کو قتل کرکے خود بادشاہ بن بیٹھا۔ خشایارشا کا ایک اور سوتیلا بھائی اوکوس اس غاصب کے مقابلے کے لیے اٹھا۔ سُگدیان نے اُسے دربار میں طلب کیا، مگر وہ ٹالتا اور درپردہ جنگ کی تیاریاں کرتا رہا۔ شاہی اسپ سواروں کا سردار آرتیسی اور مصر کا صوبے دار ارسام، دونوں نے آدکوس کا ساتھ دیا۔ سگدیان کو بے دخل کرکے اوکوس کو داریوش دوم کا لقب دے کر تخت پر متمکن کر دیا گیا۔

داریوش دوم

(۴۲۴ تا ۴۰۵ ق م)

داریوش دوم کے تخت پر بیٹھتے ہی اُس کا حقیقی بھائی ارشیت اس کا دشمن بن کر مقابلے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ مگر اس کے یونانی سپاہیوں نے اُس سے دغا کی اور بادشاہ کی فوج میں جا ملے۔ یہ دیکھ کر اُس نے اپنے آپ کو بادشاہ کے حوالے کر دیا اور قتل کیا گیا۔

اس کے بعد لیدیا کے صوبے دار نے بغاوت کر دی۔ مگر اس کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ یونانی سپاہی اُسے بے یار و مددگار چھوڑ کر شاہی فوج میں جا ملے اور سنہ ۴۱۳ ق م میں اس بغاوت اور شورش کا خاتمہ ہوگیا۔ اسی طرح سنہ ۴۱۰ میں ماد میں بھی فساد برپا ہوا،

مگر ایرانی سپاہ بہت جلد غالب آئی اور شورش ختم کر دی گئی۔

تقریباً ساٹھ برس ہو چکے تھے کہ یونانی شہر ایرآن کے تسلط سے آزاد تھے۔ مگر سنہ ۴۱۳ ق م میں ایتھنز والوں کے صقلیہ میں شکست کھانے کے بعد یونانی جنگ از سرِ نو شروع ہو گئی۔ داریوش نے اس موقع کو غنیمت جان کر تسافرن نام ایک شخص کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ اسپارتا والوں کو مفید طور پر مدد پہنچائے۔ مگر اُس نے کچھ ایسی دوُرخی چالیں چلیں کہ ایتھنز اور اسپارتا دونوں ہی کو نقصان پہنچا۔ بادشاہ نے یہ دیکھ کر اپنے بیٹے کوروش کو اپنی مغربی افواج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ ان دونوں متقابل سالاروں کی آپس کی چشمک نے رہا سہا کام اور بھی بگاڑ دیا۔

داریوش کی بیوی پری ساتس کو (جو اُس کی سوتیلی بہن بھی تھی اور نہایت بدقماش، دلیر، سازش گر، حیلہ جُو اور بے رحم عورت تھی) اس کی طبیعت پر پورا پورا قابو حاصل تھا۔ جب وہ بیمار ہوا، تو اس عورت نے چاہا کہ چھوٹا بیٹا کوروش باپ کا جانشین بنایا جائے۔ چنانچہ کوروش کو فوراً طلب کیا گیا۔ مگر ابھی اس امر کا فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ داریوش سنہ ۴۰۵ ق م میں مر گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے کوروش کے اس کا بڑا بیٹا ارتخشتر تخت پر متمکن ہو گیا۔

داریوش دوم دل کا کمزور اور مغلوب الغضب آدمی تھا، اور بعض وقت نہایت تند مزاج اور بے رحم ہو جاتا تھا۔ اس کی بیوی پری ساتس نہ صرف اُس کے مزاج پر اس طرح حاوی تھی کہ وہ محض ایک لاشے رہ گیا تھا، بلکہ وہ ہمیشہ محل اور دربار میں خواجہ سراؤں اور امیروں کے ساتھ سازباز میں لگی رہتی تھی۔ مگر وہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ ارتخشتر بادشاہ ہو، کیوں کہ اُسے چھوٹا بیٹا کوروش بہت عزیز تھا۔ مگر اس وقت حالات اس کے لیے کچھ ایسے ناسازگار ہو گئے تھے کہ نہ اُس کی خواہش کام آئی نہ سازش کارگر ہوئی، اور ارتخشتر ہی تخت ایران کا وارث ٹھہرا۔ یہ ارتخشتر دوم تھا۔

ارتخشتر (اردشیر) دوم

(۴۰۵ تا ۳۵۹ ق م)

یہ بادشاہ سنہ ۴۰۵ میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بھائی کوروش نے تخت سے مایوس ہوکر اہل اسپارتا سے اس امید میں سازباز کی کہ ان کی مدد سے وہ تخت حاصل کر سکے گا۔ اُدھر اُس نے بادشاہ سے بھی ایسی ظاہرداری برتی کہ اُس پر اپنی تدبیریں ظاہر نہ ہونے دیں۔ کچھ زمانہ تو یوں ہی گزر گیا، مگر یہ آخر یہ راز فاش ہوگیا، اور اگر اُس کی ماں آڑے نہ آتی تو اُس کی جان بھی جوکھم میں پڑ گئی تھی۔ گو وہ اپنی جان سلامت لے کر اپنی صوبے داری میں چلا گیا، لیکن اس ذلّت کا بدلہ لینے کے لیے اب وہ اور بھی زیادہ اس فکر میں پڑ گیا کہ کسی طرح اردشیر کو معزول کرکے خود تخت پر جم جاے۔ چنانچہ وہ سنہ ۴۰۱ میں ایرانیوں اور یونانیوں کی فوج لے کر سردیس سے اندرون ملک کی جانب چلا۔ کُناخسا کے مقام پر شاہی فوج سے مقابلہ ہوا، اور کوروش خود اپنے بھائی کے ہاتھ سے ناشاد و نامراد قتل ہوا۔

مصر کا کانٹا بے طرح کھٹک رہا تھا۔ ارتخشتر نے اپنی فوج کو چند سال آرام دیا، اور آخر دو لاکھ ایرانیوں اور بیس ہزار یونانیوں کا ایک زبردست اور مہیب لشکر لے کر مصر پر ٹوٹ پڑا۔ اس لاؤ لشکر کے علاوہ تین سو جنگی اور چند معمولی جہاز بھی ضرورت کے لیے ساتھ تھے۔ اُدھر مصری بھی نکتانیب کی سرکردگی میں ایرانیوں کا مقابلہ کرنے اور جان توڑ کر لڑنے کے لیے تیار تھے۔ مگر جیسے ہی ایرانیوں نے اُن کے قلعہ مندیس کو فتح کیا، مصری بھاگ کھڑے ہونے پر مجبور ہوے۔ لیکن ایرانی سپاہ سالار فرناباز کی غلط تدبیر سے یہ فتح بھی بیکار ثابت ہوی، اور مصریوں نے موقع پاکر اپنی منتشر فوج کو دوبارہ جمع کیا اور اس طرح حملہ آوروں کا راستہ روکا کہ وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ انھوں نے ایک بڑی چال یہ چلی کہ

دریاے نیل کا بند توڑ کر مصر بھر میں ایک سیلاب پھیلا دیا۔ ایرانی سراسیمہ ہو کر بھاگے اور میسیدھا فینیقیہ ہی پہنچ کر دم لیا۔ ایرانیوں کی یہ مہم جس میں جان و مال کا بے حساب اور بے دریغ نقصان ہوا، بالکل بے کار اور حد درجہ غلط ثابت ہوی، اور ایران کو سخت روزِ سیاہ دیکھنا پڑا۔

مصر میں ایسی رسوا کُن شکست کھانے کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ دریاے فرات کے مغرب کی طرف کے اکثر صوبے ایران سے باغی ہو گئے۔ چنانچہ شام، فینیقیہ، فریگیا، کاریا، میسیا، لیدیا، تمام صوبے شمشیر بکف ہو کر آپس میں مل گئے۔ اگر کہیں یہ اتحاد دیرپا ہوتا اور اُن کے آپس میں پھوٹ نہ پڑ جاتی تو سلطنت کا ایک معقول حصّہ ایرانیوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ پھوٹ کی انتہا تھی کہ وہی صوبے جو ایرانیوں کے جان و مال اور آبرو کے بدترین دشمن تھے، ایک دم سے شاہنشاہ کے خیرخواہ بن گئے اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہو گئے! خلاصہ یہ کہ ایران اس بڑی مصیبت اور تباہی سے بچ گیا۔

اردشیر کی آخری عمر نہایت تلخ گزری۔ خود اس کے خاندان کی اندرونی سازشوں نے اُس کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ آخر رنج و غم اور سال خوردگی نے سنہ ۳۵۹ ق م میں اُس کا خاتمہ کر دیا۔ اس نے چھیالیس برس تک حکومت کی۔

اردشیر نہایت چست و چالاک، محنتی اور لائق شخص تھا، اور اپنے قوی حافظے کی وجہ سے ضرب المثل تھا۔ اُسے عمارتیں بنانے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اُس نے شوسا میں متعدد عمارتیں بنوائیں، جن میں سے ہزاروں ستون کا ایک محل تھا، جو اپنی ساخت کی خوشنمائی اور لطافت میں اُس وقت آپ ہی اپنی نظیر تھا۔ یونانی مؤرخ اُس کے آداب و اخلاق، لطف و کرم اور فیاضی کے مدّاح ہیں۔ اُسے اپنی رعایا سے بہت محبت اور ہمدردی تھی، لامحالہ رعایا بھی اُسے دل و جان سے چاہتی تھی۔ اُس کے بیٹوں میں سب

سے زیادہ ہوشیار اور مکار اوکوس تھا۔ اس نے طرح طرح کی تدبیروں سے اپنے کئی بھائیوں کو مار ڈالا یا مروا دیا، اور یوں اپنا راستہ صاف کر کے باپ کے تخت پر جم بیٹھا، اور ارتخشتر سوم کے نام سے حکومت کی۔

ارتخشتر دوم کے وقت کا ایک اور بڑا واقعہ یہ ہی کہ جناب عُزَیر پیغمبر ان یہودیوں کو، جو بابل میں قید تھے اپنے ہمراہ لے کر یروشلم تشریف لے گئے، اور اس معبد کو وہاں تکمیل کیا جو داریوش اول کے زمانے (سنہ ۵۲۰ ق م) میں بننا شروع ہوا تھا۔

ارتخشتر سوم[1]

(۳۵۹ تا ۳۳۸ ق م)

ادرسي (۳۳۸ تا ۳۳۶)

ارتخشتر دوم کی موت سے تمام رعایا رنجیدہ تھی۔ اوکوس کو البتہ اپنی بد افعالیوں اور اپنے بھائیوں کے قتل ناحق کی وجہ سے سخت اندیشہ دامن گیر تھا، کیوں کہ لوگ اُس سے عام طور پر ناخوش اور سخت بدگمان تھے۔ اسی سبب سے اوکوس کے تخت نشین ہو جانے کے بعد ایک سال تک ارکانِ سلطنت نے اس کے باپ کی موت کو راز میں رکھا۔ اوکوس اپنے باپ کے نام سے احکام جاری کرتا تھا اور خود کو ولی عہد بتاتا تھا۔ آخر جب اُسے اپنے جم جانے کا یقین ہو گیا تب اُس نے ارتخشتر نام اختیار کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔

اس کے زمانے میں ہر طرف یکے بعد دیگرے بغاوتیں ہونے لگیں جن کو وہ فرو

---

[1] اُس کا یونانی نام اوکوس تھا۔

بھی نہ کر سکا۔ مغربی صوبوں میں ارتبازنے بغاوت کی۔ پہلے تو وہ کامیاب ہوا، مگر جب یونانی اُسے دغا دے کر الگ ہو گئے، تب کہیں جا کر وہ قابو میں آیا۔ شکست کھا کر وہ مقدونیا کے بادشاہ فیلقوس کے پاس پہنچا، اور یوں اپنی جان بچائی۔

مصر سب سے پیش پیش اور بغاوتوں کا مرکز تھا۔ بادشاہ پوری طرح اُدھر متوجہ ہوا۔ ابھی اُس مہم کے انتظامات نامکمل ہی تھے کہ فینیقیہ والے شمشیر بکف ہو کر اٹھ کھڑے ہوے۔ بادشاہ نے اُن کی پرواہ نہ کر کے مصر کی طرف فوج روانہ کر دی۔ اہلِ فینیقیہ مصر سے جا ملے، اور شام اور سلیسیا کے حاکموں کی مدد سے ایرانی فوج کو پسپا کر دیا۔ ارتخشتر نے اس شکست کا الزام اپنے سپاہ سالاروں پر رکھا، اور اُن سے بدظن ہو کر فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ میں لی۔ چنانچہ وہ ایک زبردست فوج ہمراہ لے کر سدوم پر حملہ آور ہوا۔ وہاں کے بادشاہ تبت نیت نے مصریوں اور یونانیوں کی مدد سے مقابلہ کیا، اور گو شروع میں کامیاب ہوا، لیکن آخر مارا گیا۔ اہلِ شہر نے جو ارتخشتر کی خونخواری سے واقف تھے، ڈر کے مارے اپنے خوش حال، متموّل اور بارونق شہر میں آگ لگا دی، جس سے چالیس ہزار سے زیادہ جانیں ہلاک ہوئیں، اور شہر خاک سیاہ ہو کر رہ گیا۔

ایران کی دولت اور اُس کی مکر و ریا سے بھری ہوی باتوں نے یونانی ریاستوں کی نیتوں میں فتور ڈال ہی دیا تھا، اب اُن کے وسیلے سے قبرس کے فتح کے لیے راستہ کھُل گیا۔ ایسی صورت میں یہودی جیسی حریص قوم کب چین سے بیٹھنے والی تھی۔ انھوں نے سوچا کہ لاؤ اس بہتے دریا میں ہم بھی ہاتھ دھوئیں۔ ارتخشتر کے لیے بھی یہ بہانہ کافی تھا۔ اس نے اپنے سپاہ سالار بگوآس کو ایک فوج دے کر روانہ کیا، اور اُس نے یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ یہودیوں کو شکست ہوی، اور اُن میں سے ایک کثیر تعداد گرفتار ہو کر پابجولان ہرکانیا کی طرف جلا وطن کر دی گئی۔

یوں ادھر سے فارغ ہو کر ارتخشتر پھر مصر کی طرف متوجہ ہوا۔ مصر کا بادشاہ نکتانیب جو

پہلے ہی سے ایرآن کی طرف سے کھٹکا ہوا تھا' اب پورے سازوسامان کے ساتھ مقابلے کے لیے تیار ہوگیا. جیساکہ پہلے بھی کئی بار اور کئی جگہ ہوچکا تھا. اب کے بھی یونانیوں نے مصر کو دغا دی. سنہ ۳۴۵ میں پلوسیم اور بوبس تس پر ایرانیوں کا قبضہ ہوگیا' اور مصر اور بھی زیادہ خطرے میں آگیا. ارتخشتر کی خونخواری اور بے رحمی اس قدر مشہور ہوچکی تھی کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ کانپ رہا تھا. یونانی اور مصری ڈر کے مارے ایرانیوں کی غلامی کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے لگے. بادشاہ نکتانیب کی جب تمام امیدیں ختم ہوگئیں' تو وہ اپنا تمام خزانہ لے کر حبشہ چلا گیا' اور پھر اسے وہاں سے واپس آنا نصیب نہ ہوا. وہ مصر کا آخری بادشاہ (فرعون) تھا. ایرانیوں نے نہایت بے دردی سے مندروں کو غارت کیا، شہروں کو لوٹا' اور کروڑوں کا سونا چاندی لے کر اور فرندا تا کو اپنا صوبہ دار بنا کر اپنے ملک کو واپس گئے.

ان سب جنگوں اور فتحوں سے فارغ ہوکر ارتخشتر عیش و عشرت میں منہمک ہوگیا' اور سلطنت کا تمام کاروبار اپنے دو وزیروں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا. اُن میں سے ایک وہی مخنث بگوآس تھا جس نے یروشلم فتح کیا تھا. مگرچوں کہ بگواس کا اصلی وطن مصر تھا' اس لیے وہ اپنے وطن کے مصائب اور ارتخشتر کی بدسلوکیوں کو جو اُس نے اہلِ مصر سے کی تھیں کبھی نہ بھولا. اُسے بادشاہ کی یہ حرکت خاص طور پر ناگوار ہوی کہ اُس نے مصریوں کے مقدس بیل آپیس[1] کو مندر سے نکال کر ذبح کر ڈالا. یہ واقعہ جو اُس کی

---

[1] آپیس ایک سانڈ تھا جس کی مصر قدیم کے تمام فراعنہ کے زمانے میں ممفس میں پوجا ہوتی تھی. اُس کا رنگ سیاہ اور پیشانی پر سفید داغ ہوتا تھا. مصریوں کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد اُس کی روح بھی انسانوں کی روح کی طرح اوسی ریس (خدا) میں جا ملتی ہی. سقارہ کے قبرستان میں اب بھی چوبیس آپیس سانڈوں کی قبریں موجود ہیں.

آنکھوں کے سامنے گزرا ایسا نہ تھا کہ بگوآس چین سے بیٹھ سکتا۔ اُس نے بادشاہ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں، اور آخر کار سنہ ۳۳۸ ق م میں اُسے زہر پلا کر مار ڈالا اور تمام شاہی اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ پھر بہت سے شاہزادوں کو قتل کرا کے بادشاہ کے سب سے چھوٹے بیٹے اورسی کو بادشاہ بنا دیا۔

لیکن دو برس سے زیادہ مدت نہ گزرنے پائی تھی کہ اورسی بھی اپنے مکار مربّی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اس کے بعد اُس نے داریوش دوم کے پرپوتے اور آرمینیا کے صوبہ دار داریوش کو تخت پر بٹھا دیا، جو اُس وقت ہخامنشی خاندان کا ایک ہی نام لیوا رہ گیا تھا۔

ارتخشتر سوم نہایت کینہ مزاج اور بے رحم شخص تھا۔ وہ ہخامنشی خاندان میں سب سے زیادہ، بلکہ صحیح معنی میں واحد، خونخوار بادشاہ تھا۔ وہ اپنے بھائیوں کے خون میں ہاتھ رنگنے کے سبب سے اور بھی زیادہ بدنام ہو گیا تھا، اور لوگوں کے دلوں میں اُس کی طرف سے سخت نفرت جاگزین ہو گئی تھی۔ اس کے آخری وقت کے عیش و عشرت نے اُس کی رہی سہی توقیر اور جاہ و جلال کو اور بھی خاک میں ملا دیا تھا۔ ایسے بے رحم کا وہی نتیجہ ہونا چاہیے تھا جو اُس کا ہوا۔

داریوش (دارا) سوم

(۳۳۶ تا ۳۳۰ ق م)

یہ خاندان ہخامنشی کا آخری تاجدار تھا۔ جن حالات میں اور جس کرتب سے خبیث بادشاہ گر بگوآس نے اُسے تخت پر بٹھایا تھا، وہ اُسے اپنے اس محسن سے بدظن رکھنے کے لیے کافی تھے۔ بگوآس خود بھی اُس سے خائف تھا اور چاہتا تھا کہ اورسی کی طرح اُسے بھی زہر دے کر ختم کر دے، لیکن داریوش وقت پر متنبہ ہو گیا، اور وہ جام خود

بگوآس ہی کو نوش کرنا پڑا۔ یوں کرنے کو تو بگوآس کا اُس نے خاتمہ کر کے اپنی جان بچالی، مگر اُسے کیا معلوم تھا کہ ابھی اُسے ایک ایسی بڑی آفت کا سامنا کرنا باقی ہی جس سے نہ صرف اُس کا بلکہ اُس کے خاندان تک کا نام ختم ہوجانے والا تھا۔ اور بہت ممکن تھا کہ اگر بگوآس یوں نہ ہلاک ہوتا تو اُس کی تدبیریں اس خاندان اور ملک کو مقدونی بلا سے بچالیتیں۔

ایران کی جڑیں ہل چکی تھیں۔ داریوش کو اپنا تاج اور تخت سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ مقدونیا کا بادشاہ فیلقوس چاہتا تھا کہ ایران کی مرفہ الحال سلطنت پر حملہ کر کے روز روز کی خلش مٹادے، مگر وہ مرگیا۔ اب اُس کا بیٹا سکندر باپ کی خواہش پوری کرنے کی تیاری کر چکا تھا، اور چالیس ہزار مقدونی سپاہیوں کو ساتھ لیے ایران کے دروازے پر کھڑا تھا کہ اُس کی اینٹ سے اینٹ بجادے، اور اس طرح یونان کے اس قدیمی دشمن کو ملیامیٹ کر دے۔

سنہ ۳۳۴ ق م میں سکندر نے بڑے اطمینان سے درۂ دانیال کو عبور کیا، اور کسی نے اُس کی مزاحمت نہ کی۔ جب وہ بڑھتا ہوا دریائے اُسپال (واقع صوبۂ میسیا) پر پہنچ گیا، تب ایرانی فوج نے مقابلہ کیا، مگر سخت شکست کھائی۔ اس سے گویا تمام ایشیائے کوچک سکندر کے لیے صاف ہوگیا۔ سکندر کی ہمت دوبالا ہوگئی، اور وہ بے دریغ اندرونِ ملک کی طرف بڑھا۔ راستے میں ایک آدھ شہر نے مزاحمت کی، مگر اُن کی ایک پیش نہ گئی، اور سکندر کو راستہ ملتا چلا گیا۔

سکندر کو یوں ہر مقام پر کامیاب اور فتحمند ہوتے دیکھ کر داریوش نے صلح کی درخواست کی، مگر سکندر نے منظور نہ کیا، اور وہ برابر ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھتا چلا گیا۔ راستے میں اُس نے ملک شام کو فتح کیا جہاں صرف شہر صُور نے اُسے سات مہینے تک مصروف رکھا، ورنہ اور کہیں زیادہ مزاحمت پیش نہیں آئی۔ مصر نے اُسے اپنا ناجی سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنا دیوتا مان لیا۔ سکندر نے ایک پرانی بستی کے مقام پر اپنے نام سے شہر اسکندریہ آباد کیا۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ یہ شہر آئندہ چل کر ایک زبردست تجارتی مرکز اور اہم سیاسی مقام ہوجائے گا۔

سنہ ۳۳۱ میں سکندر نے ممفس سے کوچ کیا، اور بابل، سوسا اور استخر وغیرہ کو لیتا ہوا آگے بڑھا۔ داریوش مجبوراً مشرق کی طرف بھاگا۔ سکندر نے استخر کو آگ لگادی، جس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ خشایارشا نے جو یونان کے دارالسلطنت ایتھنز کو جلایا تھا اُس کا بدلہ لیا، یا یہ کہ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ ہخامنشی خاندان کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُس نے محض شراب کے دور میں بدمست اور غافل ہوکر اتنے عظیم الشان شہر کو جلادینے کا حکم دے دیا ہو، اور ہوش آنے پر وہ پچھتایا بھی ہو۔ اب اُسے ایران کی سطح مرتفع اور مشرقی علاقوں پر قبضہ کرنا باقی رہ گیا تھا۔ داریوش چاہتا تھا کہ میدیا میں ایک نئی فوج جمع کرکے سکندر کا مقابلہ کرے، مگر ابھی وہ اس ارادے میں کامیاب نہ ہوا تھا کہ اُسے حملہ آور فوج نے وہاں سے بھاگنے پر مجبور کردیا۔ راستے میں اُس کے دو صوبے داروں بیسوس اور برسانت نے سازش کرکے اُسے مار ڈالا۔ یہ جولائی سنہ ۳۳۰ ق م کا واقعہ ہے۔ ان دونوں میں سے بیسوس خود ہخامنشی خاندان کا ایک فرد تھا، اور چاہتا تھا کہ بادشاہ کو قتل کرکے وہ خود ارتخشترِ چہارم کے نام سے حکمران بن جائے، مگر اُس کی یہ آرزو کبھی پوری نہ ہوسکی۔

سکندر خود ایران سے ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا، اور وہاں سے واپس آرہا تھا کہ بیمار ہوا اور بنوکدنصر کے محل میں جسے اب القصر کہتے ہیں، ایک شب کو اس کی طبیعت کی ناسازی اور بسیار خوری نے (۱۳ر جون سنہ ۳۲۳ کو) اُس کا خاتمہ کردیا۔ بعد میں اُس کی لاش کو مصر لے جاکر اسکندریہ میں دفن کیا گیا، جہاں وہ اب تک ہے، اور غالباً وہی مقام ہے جہاں آج کل مسجد دانیال کے حوالی میں خدیوانِ مصر کے مقبرے ہیں۔

مختصر یہ کہ دو سو تیس برس حکومت کرنے کے بعد ایران کی یہ عالمگیر سلطنت اور پُر جبروت طاقت اس طرح ایک یونانی مقدونی فاتح کے ہاتھوں غارت ہوکر ختم ہوگئی۔ بقول ایک یورپی مؤرخ کے:۔

"آخری بادشاہ کے مرنے سے ایران پھر اس قعرِ گمنامی میں جا پڑا، جس سے اُسے کوروشِ اعظم نے نکال کر آسمان پر پہنچا دیا تھا۔ اس وقت نہ اُس کی پرانی عظمت باقی ہے، نہ اُس کے خزانے! اگر کچھ ہے تو وہ چند عظیم الشان مقبرے ہیں یا اُن کے کھنڈر، یا ٹوٹے پھوٹے مقدس آتش کدے، یا عالی شان مینار جو اُس کی سلطنت کے علاقوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ اگرچہ اس واقعۂ ہائلہ کے بعد آئے دن کے اندرونی نفاق و شقاق اور روز روز کی بیرونی جنگوں نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ سلطنت ایشیا کی ترقی و تہذیب میں بہت بڑی مددگار رہی ہے۔ یہ زوال اب سے پہلے کبھی کا آچکا ہوتا، مگر یونانیوں کی آپس کی خانہ جنگیوں اور مخالفتوں نے اس کو چند روز کے لیے روکے رکھا۔ ایران اور اُس کے مختلف صوبوں کا جو کچھ انجام ہوا وہ ہو چکا؛ مگر اُس کے کتبے اور اُس کی یادگاریں جو ایران کی باقی رہنے والی پہاڑیوں پر اب بھی موجود ہیں، زندہ رہیں گی۔ اُن کی آنکھیں اپنے فنا ہونے والے خزانوں کو دیکھتی رہیں گی، اور ان کی زبانیں اپنی بے زبانی سے اس قدیم سلطنت کو یاد کرتی رہیں گی، اگرچہ زبان زدِ عوام روایات نے اُن کی تاریخ پر خرافات اصنام کا پردہ ڈال دیا ہے، مگر یہ کتبے اور یہ یادگاریں ہخامنشی خاندان کی بے بہا تاریخیں ہیں کہ اُن کی زندگی اُس جلیل القدر سلطنت کی یاد کو مدتوں تازہ رکھیں گی!"

باب چہارم

ہخامنشی سلطنت کے کوائف

۱۔ ملکی اور فوجی نظام

قبل اس کے کہ سلسلۂ تاریخ کو جاری رکھا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہخامنشی خاندان کے ملکی، مالی اور فوجی انتظام، نظامِ حکومت اور مذہبی کوائف کو مختصر طور پر بیان کر دیا جائے۔

ہخامنشی سلطنت کے حدودِ اربعہ یہ تھے: شمال میں بحرِ آرال، بحرِ خزر، سرکیشیا کے کوہستان، بحرِ اسود اور دریائے ڈانوب؛ مشرق میں دریائے سندھ، اور پنجاب اور مشرقی ترکستان کے بڑے حصے؛ جنوب میں صحرائے لیبیا، نوبہ، بحرِ احمر، صحرائے عرب، خلیج فارس اور بحیرۂ عرب؛ اور مغرب میں بلغاریا، روسیلیا، جزائرِ ایجیا، اور بحرِ روم۔

اس عظیم الشان سلطنت کی، جو اپنے وقتوں میں بے نظیر تھی، تمام عمارت گویا ایک ستون یعنی رعایا کی وفاداری اور نمک حلالی پر قائم تھی۔ بادشاہ وقت تو الگ رہا، اس کی طرف سے جو حاکم ہوتا تھا، اور نہایت شان و شوکت سے رہتا تھا، رعایا اُس کی بھی اتنی تعظیم کرتی تھی جو خدا ہی کے لیے سزاوار تھی۔ کوروش اعظم اور دارائے اعظم، جو حقیقت میں اس سلطنت کے بانی اور ترقی دینے والے تھے اپنی عظمت و جلالت کا وہ اثر چھوڑ گئے تھے جو مدت مدید تک زائل نہیں ہوا۔ ایرانی اگر اپنے بادشاہوں سے ڈرتے تھے تو اُن کا دلی ادب و احترام بھی کرتے تھے۔ گو بادشاہ کالے کوسوں دور بیٹھا ہوا تھا مگر اس کا فر و شکوہ اس طرح ہر شخص کی آنکھوں کے سامنے تھا کہ گویا وہ بادشاہ کے سامنے موجود ہے۔

بادشاہ کی طرف سے ہر جگہ کی رعایا اپنی قومیت، اپنا نظام، اپنا دین، اپنے حکام

سب کچھ قائم رکھے ہوئی تھی. فینیقیہ پر انھیں کے بادشاہ حکمران تھے، مصریوں پر وہیں کے فرعون، یہودیوں پر اُن کے دینی جانشینانِ پیغمبر. صرف اتنا کافی سمجھا جاتا تھا کہ یہ مفتوح یا مملوک ملک اپنا خراج وقت پر ادا کر دیا کریں اور بادشاہ کی نمک حلالی کو برقرار رکھیں. تمام رعایا، بلا استثنا، وزیر اور سپاہ سالار سے لے کر ادنیٰ مزدور تک بادشاہ کے غلام کہے اور سمجھے جاتے تھے، اور بادشاہ وقت شاہنشاہ تھا.

تمام سلطنت بیس ریاستوں یا صوبوں میں تقسیم تھی. ہر ریاست یا ملک کا حکمران "خُشتھرپا" (صوبہ دار) کہلاتا تھا. ہر ایک کے پاس ایک وکیل رہتا تھا، جس کا فرض تھا کہ وہ اُس خُشتھرپا پر نگاہ رکھے، اور اس کے ہر کام کی اطلاع شاہنشاہ کو دیتا رہے. فوج کی نگرانی سپاہ سالار کے ہاتھ میں ہوتی تھی. ہر قلعہ بند شہر کا ایک حاکم ہوتا تھا جو "اَرگ بت" قلعہ دار کہلاتا تھا. ان تینوں حُکّام (یعنی حاکم ملک، وکیل اور سپاہ سالار) کے مابین افسری اور ماتحتی کا رشتہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ ہر ایک اپنے اپنے اختیارات رکھتا تھا اور دوسرے سے آزاد اور بے نیاز ہوتا تھا. ہر ایک کو دربار شاہنشاہی سے براہِ راست تعلق ہوتا تھا، اور وہیں سے اُسے احکام ملتے تھے. بعض اہم اور ضروری موقعوں پر یہی حاکم سپاہ سالار کا کام بھی کرتے تھے. شہنشاہ کے احکام اور ہدایات ہرکارے لے کر آتے تھے. دنیا میں ڈاک کا یقیناً یہ پہلا انتظام تھا. مؤرخ ہیرودوت نے بھی اُس کی تعریف کی ہے.

ہر ملک کے وکلاء کے علاوہ ہر سال چند وکلاء شہنشاہ کے حکم سے دور دراز ممالک میں جاکر دیکھتے تھے کہ احکام شاہی کی پوری تعمیل ہوتی ہے یا نہیں. ان کے ساتھ کچھ فوج بھی ہوتی تھی، تاکہ اُن کی حفاظت بھی کرے اور ان کو مدد بھی دے. یہ لوگ رعایا سے جاکر ملتے تھے اور ان کی شکایات سُن کر تحقیقات کرتے تھے. یہ لوگ اس قدر معتبر ہوتے تھے کہ انھیں کی اطلاعات پر حاکموں کا عزل و نصب ہو جاتا تھا، بلکہ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ ان کی اطلاع کے بموجب حاکم قتل تک کر دیے گئے ہیں. ایسا بھی ہوا ہے کہ اُنھوں نے اپنے اختیار سے خود

اپنی فوج کے ذریعے رعایا کی دادرسی بھی کی ہی۔
کوروش اعظم کی کامیابی میں چوں کہ ایرانی زیادہ معاون و مددگار ہوسے تھے، اُس لیے اُسی زمانے میں بڑی بڑی رعایات حاصل تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بہت شوخ ہوگئے تھے اور خود کو کسی کا جواب دِہ نہیں سمجھتے تھے۔ بعد کو یہ غلطی محسوس ہوئی اور تمام رعایا کے حقوق مساوی کر دیے گئے۔
محاصل کچھ تو اجناس میں وصول کیے جاتے تھے اور کچھ زر نقد کی صورت میں۔ ہر ملک یا قوم پر محصول کی ایک خاص رقم مقرر تھی۔ علاقوں کی تقسیم محاصل کے لحاظ سے کر دی گئی تھی۔ مثلاً ایشیاے کوچک چار علاقوں میں تقسیم تھا۔ کل سلطنت کی کم از کم چھ کروڑ روپیہ زر نقد آمدنی تھی۔ اجناس کی کیفیت یہ تھی کہ:
بابل، پانچ سو خواجہ سرا؛ ماد، ایک لاکھ بھیڑ بکری، چار ہزار خچر اور تین ہزار گھوڑے؛ آرمینیا بیس ہزار بچھیرے؛ ہندوستان شکاری کتے اور چالیس ہزار چھ سو اسی درم کے برابر سونا؛ حبشہ، ہر تیسرے برس سونا، ہاتھی دانت، آبنوس اور پانچ لڑکے؛ کلکیس پر ہر پانچویں برس سو لڑکے اور سو لڑکیاں؛ عرب سوا سو من خوشبو کی چیزیں — مہیا کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ملکوں کے حکام اس سے زیادہ وصول کرتے تھے۔ وہ ایک حصہ خود رکھتے تھے، مگر مقررہ زرِ قوم اور اجناس دارالسلطنت کو پہنچا دیتے تھے۔ اس کے عوض میں حکام کا فرض تھا کہ رعایا کو لوٹ مار، لڑائی بھڑائی اور چوری چکاری سے محفوظ رکھیں، سڑکوں کی حفاظت کریں، اور زراعت کو ترقی دیں۔
ان دنوں لوگوں کو سفر میں سخت ترین مشکلات کا سامنا ہوتا تھا؛ تجارت کا مال ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا سخت زحمت کا باعث تھا۔ اس لیے پرانی سڑکوں کی درمت کرائی اور نئی سڑکیں بنوائی گئیں۔ اگرچہ کتبوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہی، مگر

معلوم ہوتا ہی کہ بابل سے نینوی اور آمد ہوتی ہوی تھر تک بڑی سڑکیں موجود تھیں سوتسا سے سردیس اور ایفی سوس تک جو سڑک جاتی تھی وہ شاہ راہ (شاہی سڑک) کہلاتی تھی۔ ہر منزل پر سرائیں تھیں' اور مسافروں کی حفاظت کے لیے پولیس متعین ہوتی تھی۔

گو ہم تفصیل سے آگاہ نہیں ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہی کہ زراعت کی طرف بھی حکومت کی خاص توجہ تھی۔ اس کا کچھ اندازہ اس سے ہوسکتا ہی کہ ایک حاکم نے سڑکوں کے دونوں طرف درخت لگوائے تو خود شہنشاہ وقت نے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا، اُسے مبارکباد دی۔

دارا ے اعظم کے زمانے سے چاندی اور سونے کے سکّے سلطنت بھر میں رائج تھے۔

شہنشاہوں کی حفاظت کے لیے محافظ تن فوج رہتی تھی۔ اُس میں ہر ملک کے شریف ونجیب خاندانوں کے لوگ بھرتی ہوسکتے تھے۔ اس فوج میں پیدل اور سوار دونوں ہوتے تھے' اور ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ تلواریں اور نیزے اُن کے حربے ہوتے تھے۔

فوجداری مقدمات کی عدالت اخیر خود شہنشاہ کی ذات ہوتی تھی۔ سلطنت اور ذات شاہی کے خلاف جتنے جرائم ہوتے تھے اُن سب کا فیصلہ خود بادشاہ وقت کرتا تھا۔ دیوانی معاملات صرف اُن لوگوں کے متعلق تھے جن کو اس خصوص میں خود بادشاہ اپنے اختیارات عطا کردیتا تھا۔

یہ لوگ اگر بددیانتی یا بدعنوانی کرتے تھے تو سزائیں پاتے تھے۔ چنانچہ کمبوجیا نے ایک شخص کو رشوت ستانی کے جرم میں قتل کرادیا تھا' حالانکہ ازروے قانون بادشاہ کو بھی اختیار نہ تھا کہ صرف ایک جُرم میں کسی کی جان لے لے۔ یہ جائز نہ تھا کہ کوئی ایرانی بھی اپنے غلام کو صرف ایک جرم میں سزا دے۔ البتہ جب اُس کے کئی جُرم ثابت ہوجائیں تو اُسے جسمانی سزا دی جاسکتی تھی۔ سلطنت کے خلاف نمک حرامی کی سزا مُثلہ کرنا یا قتل کرڈالنا تھی۔ چنانچہ کئی کتبوں سے اس کا ثبوت ملتا ہی۔ ایسے لوگ بارگاہ شہنشاہی میں پیش کیے جاتے تھے۔

وہاں اُن کے ناک کان کاٹ دیے جاتے تھے، پھر شہر میں اُن کی تشہیر کی جاتی تھی، اور اُس کے بعد اُن کو اُن کے وطنوں کے دار السلطنتوں میں بھیج کر قتل کرا کے لاش کی تشہیر کی جاتی تھی۔

صنعت و حرفت میں بھی بلاشبہہ کافی ترقی ہوی تھی۔ خصوصًا فنِ تعمیر میں اُن کے کمالات آج تک اُن کے کھنڈروں اور پہاڑوں کی چٹانوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ شاہی محلات کے جو کھنڈر اب بھی باقی ہیں وہ اُن کے کمالات کے شاہد ہیں۔ معلوم ہوتا ہی کہ اُنھیں اپنی تعمیرات کے لیے اشوریا' بابل اور نینوی کی عمارتوں سے نمونے مل گئے تھے۔ مگر ایرانی عمارتیں کامل طور پر اُن کی نقلیں بھی نہیں ہیں، بلکہ اُن سے ایرانی اُپج اور اصلاح کا صاف پتا چلتا ہی۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہی کہ ایرانی عمارتوں میں یونان کا اثر بھی موجود ہی، مگر وہ محض اثر ہی ہی' کامل تقلید یا محض نقل ہرگز نہیں ہو سکتی۔ دوسری اقوام کی نگاہ میں یہ چیز بہت عجیب تھی کہ ایران میں مندر نہ تھے، اور نہ کسی قسم کے بُت کہیں نظر آتے تھے۔ البتہ آتش کدے جگہ جگہ موجود تھے، اور اُن کے کھنڈر آج بھی دکھائی دیتے ہیں۔ اِن آتش کدوں کی مختصر عمارتیں عمومًا مربع ہوتی تھیں، جن کا قعدہ بڑا ہوتا تھا، اور اوپر پہنچتے پہنچتے حجم کم ہوتا جاتا تھا۔

ہخامنشی زمانے کے جو کتبے اب تک موجود ہیں، وہ عمومًا تین زبانوں میں ہیں: قدیم فارسی، انشانی یا شوسی، اور بابلی۔ لیکن چند کتبے ایسے بھی ہیں جن میں صرف ایک ہی زبان، یعنی فارسی قدیم ہی استعمال ہوی ہی، اور یہ زبان وہی تھی جو شاہی دربار اور شاہی خاندان میں مستعمل تھی۔ یہ سب کتبے خطِ میخی میں تھے۔ مگر قدیم فارسی زبان کا خط بہ نسبت اور زبانوں کے زیادہ سادہ ہی، اور اس میں وہ تمام پیچیدگیاں نہیں ہیں جو بابلی کے خط میں نظر آتی ہیں۔

فارسی قدیم کی زبان غالبًا وہی ہی جو دارا اور خشایارشا کے درباروں میں بولی جاتی ہوگی۔

ان سب میں بہستون کا کتبہ نہایت دلچسپ ہی. دارا نے اس کی نقلیں اور ترجمے کرا کے دوسرے ممالک کو بھیجے تھے. اس کی بعض نقلوں سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہی کہ یہ کتبہ سنہ ۵۱۰ ق م کے لگ بھگ زمانے کا ہی.

۲- ہخامنشی ایران کا دین

اوپر کہا جا چکا ہی کہ ایران میں ہر شخص اپنے دینی معاملات میں بالکل آزاد تھا؛ اور کسی کو کسی کے دین سے کوئی تعرض نہ تھا. بادشاہ باوجود اس کے کہ اوروں کی طرح اپنے ہی مذہب پر قائم تھا، مگر دوسری اقوام کے خداؤں کو مانتا اور اُنھیں اپنا محافظ جانتا تھا؛ اور وہ اس امر کو کسی طرح اپنے خاص مذہب کے خلاف بھی نہیں سمجھتا تھا. سب سے بڑا خدا اہورا مزدا (ہرمزد) تھا. اس کے یہ معنی ہیں کہ ایرانی اُس کے سوا اور خداؤں کے بھی قائل تھے؛ لیکن رب الارباب اہورامزدا ہی تھا. چوں کہ وہ ایک غیر مرئی ہستی تھی، اس لیے اُس کے مظاہر یعنی آگ اور سورج کو پوجا جاتا تھا. اُس کے ایک زمانے کے بعد آگ مستقل طور پر مظہر الٰہی قرار دی گئی. چار عناصر کی بھی پوجا ہوتی تھی، مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بادشاہ بھی اُن کی پوجا کرتے تھے یا نہیں.

معلوم ہوتا ہی کہ دارائے اعظم زرتشتی تھا. چوں کہ یہ دین مدت مدید سے چلا آتا تھا، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہی کہ اس کے اور اُس کے پیغمبر کے حالات یہاں پر مختصرًا بیان کر دیے جائیں.

جناب زرتشت اور اُن کا دین

باوجود آں کہ جناب زرتشت محض خیالی یا وہمی ہستی نہیں ہیں، بلکہ آپ ایک تاریخی شخصیت رکھتے ہیں، آپ کے متعلق اب تک بہت سی باتیں زیرِ بحث چلی آتی ہیں.

نقش رستم میں دو آتش کدے

مثلاً یہ کہ آپ کہاں، کس خاندان میں اور کس زمانے میں پیدا ہوے؟ عام خیال تو یہ ہی کہ باختر کو آپ کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہی۔ مگر بعض اہل علم آپ کو مغربی ایران یا آذربائیجان سے منسوب کرتے ہیں۔ آپ خاندان سپی تاما کے فرد وحید تھے۔ آپ کی ولادت کے بارے میں سخت اختلاف ہی۔ علماے قدیم کا خیال یہ ہی کہ آپ تقریباً چھ ہزار سال قبل از مسیحؑ پیدا ہوے۔ مگر زمانۂ حال کے علماء نے کندوکاوی کے بعد آپ کا زمانۂ ولادت سنہ ۶۶۰ ق م سے سنہ ۵۸۳ ق م کے درمیان کسی سال کو قرار دیا ہی۔ آپ کے والد ماجد کا نام پورشاسپ تھا اور والدۂ مکرمہ کا دُغدھو۔ آپ کے پیدا ہونے کی بشارت جمشید اور ایک دو اور بزرگ دے چکے تھے۔ جیسا کہ دنیا میں ہر بزرگ اور مہتم بالشان انسان کی پیدائش کے وقت ہوتا ہی جب آپ تولد ہوے تو کئی بظاہر فوق العادت قسم کے نشانات اہلِ دنیا کو دکھائے گئے۔ دنیا میں ہر چیز اُس کی ضد سے پہچانی جاتی ہی جہاں یہ سب کچھ تھا وہاں ایسی ہستیاں بھی موجود تھیں جن کو آپ کا دنیا میں آنا سخت شاق تھا۔ انھوں نے آپ کو طرح طرح کی تدبیروں سے مار ڈالنا چاہا؛ مگر ہرفرد نے آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھا۔

ابھی جناب زرتشت پورے سات برس کے بھی نہ ہوے تھے کہ آپ کے والد نے آپ کو اُس وقت کے ایک بڑے عالم بُرزین کروس کی خدمت میں پڑھنے کو بٹھا دیا۔ یہ معلوم نہیں کہ آپ نے کتنے عرصے تک استاد سے پڑھا اور کیا کیا پڑھا اور سیکھا اور اس تعلیم نے آپ کے منصب رسالت میں کیا مدد دی۔ پندرہ سال کی عمر میں آپ کے کُستی[1] باندھی گئی۔ کُستی کی بندش کے بعد ہر شخص پر احکام دین کی پابندی لازم

---

[1] کُستی کو زنار یا جنیو کہنا چاہیے۔ فرق یہ ہی کہ ہنود جنیو کا تاگا حمائل کرتے ہیں اور زرتشتی اسے کمر میں باندھتے ہیں۔

ہو جاتی ہی. تیس برس کی عمر تک آپ رسالت کے فرائض کی انجام دہی کے لیے تیار کیے گئے. اس زمانے میں آپ غریبوں، مظلوموں اور محروموں کی امداد بھی کرتے رہے، اور اس کے ساتھ ہی آپ اُردبیل کے قریب ایک پہاڑ کی کھوہ میں بیٹھ کر دنیا اور اہل دنیا کے متعلق غور و خوض بھی فرماتے رہے. ٹھیک تیس برس کی عمر میں آپ پر سروش وُوہُومَنو نازل ہوا، اور آپ کو عالم خواب میں ہرمزد کے حضور میں لے گیا. آئندہ دس سال کے عرصے میں سات مرتبہ آپ کو ہرمزد کی رؤیت نصیب ہوی. یہ زمانہ زیادہ تر سیاحت اور دین کی مُنادی اور تلقین اور سخت کشش و کوشش میں بسر ہوا، امیدیں بندھیں، مایوسیاں ہوئیں. آپ نے تکلیفیں اٹھائیں، مصیبتیں جھیلیں، مگر کوئی بھی آپ پر ایمان نہیں لایا. جب مایوسی کی حد ہوگئی، تو صرف ایک نیک دل شخص مَیدھیو ماؤنہا نامی ملا، اور وہ صدق دل سے آپ پر ایمان لے آیا.

بارھویں برس میں بادشاہ وِشتاسپ (= گشتاسپ) نے جب آپ کا دین قبول کیا تو ترقی شروع ہوی. تمام دربار شاہی نے، جس میں حکیم جاماسپ بھی تھے، دین بہی[۱] قبول کیا. سب سے زیادہ تقویت بادشاہ کے بھائی زَرِیر، شاہ زادہ اسفندیار اور وزیر سلطنت فَرَشوشتر کے ایمان لانے سے پہنچی. اب آپ کے عزیز و اقارب بھی آپ کی پیغمبری کے قائل ہو گئے، اور اس دین کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہونا شروع ہوی. ایران میں تو یہ دین بہت جلد پھیلا ہی، توران کے بعض خاندانوں نے بھی اسے قبول کرلیا، اور پھر سیستان، کابل، اور رُوم[۲] پہنچا. ہندوستان میں کنگرن گھاچا نامی ایک برہمن اور ایک اور شخص وْیاس آپ سے بحث کرنے آئے اور قائل ہوجانے پر دونوں

---

[۱] یعنی دین زرتشتی۔ [۲] روم میں سلطنت بیزنطین یونان، آسیاے کوچک اور خود روم شامل تھے.

آپ پر ایمان لے آے۔

ارجاسپ تورانی کو جناب زرتشت کی کامیابی سخت ناگوار ہوی، اور اُس نے سخت مخالفت اور مزاحمت کی۔ بہانہ یہ ہوا کہ آپ کی تعلیمات کے موافق دینِ بہی رکھنے والا کسی کا زیر دست نہیں ہو سکتا تھا۔ ارجاسپ ہر سال وشتاسپ سے خراج لیا کرتا تھا۔ اب اس سے انکار ہوا تو ارجاسپ نے لکھ بھیجا کہ خراج بھی لاؤ اور دینِ بہی سے بھی توبہ کرو، ورنہ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آخر جہاد شروع ہوا، جس میں زریر اور اسفندیار نے اپنے جوہر دکھائے اور زریر کام آیا۔ آخر میں میدان اسفندیار کے ہاتھ میں رہا، اور دینِ بہی ایران اور دوسرے مقامات میں مستقل طور پر پھیل گیا۔

اگرچہ دینی جنگ جاری تھی جس میں آپ بہ نفس نفیس شریک رہتے تھے، لیکن پیغمبری کا فرض ادا ہو چکا تھا، اور آپ کو اپنے منصب میں کامیابی ہو چکی تھی۔ بلخ کا محاصرہ تھا۔ تورانیوں نے ظلم و ستم کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ ہرمزد کے اس بزرگ پیغمبر کے قتل کی بدبختی ایک تورانی شخص براتڑوکیش کے نصیب میں تھی۔ اس نے بلخ کے آتش کدے کی آگ آپ کے خون سے بجھائی۔ اس وقت آن جناب کا سن شریف ستتر (۷۷) سال چالیس دن کا بتایا جاتا ہی، جب کہ آپ کی پیغمبری کا اڑتالیسواں سال تھا۔ ایرانی تقویم کے حساب سے یہ واقعہ سنہ ۵۸۳ ق م میں ہوا۔

ایران بدل گیا، اور اُس کی تاریخ نے بڑے بڑے پلٹے کھائے، مگر دینِ بہی آج تک زندہ ہی۔ عواقب بہت دلچسپ ہیں، مگر یہ مختصر اُن کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

جنابِ زرتشت کے دینِ بہی اور اُس کے فلسفے کے بیان کے لیے مجلدات درکار ہیں۔ مختصر یہ ہی کہ اس دین کی خصوصیات یہ ہیں:

(۱) وحدتِ الٰہی۔ (۲) فرشتوں اور شیطانوں کا وجود۔ (۳) عناصر فطری کے آداب۔ (۴) نظام و تکوینِ عالم کا علم۔ (۵) حیات بعد الموت کا علم۔ (۶) اخلاق و آداب کا منظم

قانون اور سیاست مُدن کے اصول۔ ان سب میں نمایاں کیفیت اُس وحدت الٰہیہ کی ہے، جو جناب زرتشت کے بعد ایک یا دو صدی کے اندر ہی اندر وحدت سے بدل کر ثنویت کے اصول تک پہنچ کر مسخ ہوگئی، اور جس کی رُو سے نور اور ظلمت کے دو اصول تسلیم کیے جانے لگے۔ نور و ظلمت ہر وقت ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ اگر نور (آفتاب یا آتش کی صورتوں میں) ہرمزد کی ذات پاک کا مظہر ہے، تو ظلمت اہرمن یا شیطان کا مظہر ہے۔ بہ تبدیل الفاظ یوں کہنا چاہیے کہ یہ جنگ یزدان اور اہرمن کے مابین ہے اور ابد تک چلی جائے گی۔ اور آخر میں یزدان کو فتح ہوگی، جو ذات مجرد اور وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے؛ اور اہرمن کو کامل شکست ہوگی۔ زرتشتی دین کی بناء توحید پر ہے۔ وہ یزدان کی پرستش پر زور دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ ہر دینی کام میں اس کا خیال رکھو کہ یزدان پاک یکتا ہے۔ کائنات میں دو قوتیں ہیں: ایک مادّے کو وصل دیتی ہے اور دوسری فصل۔ ایک نور ہے دوسری ظلمت۔ قوت سراسر نور ہے، مگر اس کی کثرت ایک جگہ ظلمت کی شکل پیدا کر لیتی ہے، لیکن جب وسیع ہو جاتی ہے تو پھر نور بن جاتی ہے؛ جیسے شیرینی کہ زیادہ ہوتی ہے تو تلخ معلوم ہوتی ہے، مگر جب تلخی میں اعتدال آجاتا ہے تو پھر شیرینی آجاتی ہے۔ ایک نیکی کی قوت ہے، دوسری بدی کی۔ انسان کو چاہیے کہ نیکی اپنے اُوپر لازم کرلے اور بدی کی جڑ اکھاڑ ڈالنے کی کوشش کرتا رہے۔ آپ کی تعلیمات میں رہبانیت کی ممانعت ہے اور اپنوں میں رہ کر اُن ہی کے ساتھ آسائش اور تکلیف برداشت کرنے کی تاکید ہے۔ نیک اعمال میں خود بھی کوشش کرنا چاہیے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرنا چاہیے۔ بد اعمال سے بچنے اور بچانے کی سخت تاکید ہے، اور حکم ہے کہ نفس امارہ سے جہاد کرنے میں مصروف رہو۔ زراعت اور کشاورزی پر بھی زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص کشاورزی کرتا ہے وہ اس شخص سے اچھا ہے جو روزانہ ہزار بار دُعا مانگتا اور پرستش اور نیایش کرتا ہے۔ ہر طرح کی پلیدی اور نجاست و کثافت سے پرہیز کرنے کی شدید تلقین ہے۔ حکم ہے کہ پانی جہاں کہیں بھی ہو اُسے پاک رکھو۔

آپ کے نزدیک سب سے بڑی پاک کرنے والی چیز آتش ہی. شدید تاکید ہی کہ تمام اعمال و افکار میں پاکیزگی اور نیکی کا خیال رکھا جائے. نیت، کردار، گفتار سب نیک اور پاک ہونا چاہئیں. ارشاد ہی کہ دنیا میں اِس طرح زندگی بسر کرو کہ دل تمھاری طرف کھنچے چلے آئیں. شادیاں کرو، اولاد کی تعلیم و تربیت میں سعیِ بلیغ سے کام لو، جھوٹ کبھی نہ بولو اور جھوٹا وعدہ کبھی نہ کرو. وغیرہ وغیرہ. یہاں اس سے زیادہ گنجائش نہیں ہی. تفصیل کے لیے بڑی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے.

۳۔ یونانیوں کا انجام

جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہی، بتیس برس کی عمر میں سکندر مقدونی کا چراغِ زندگی گُل ہو گیا. اس کی تمام مفتوحات کو اُس کے ارکانِ دولت نے اپنے آپس میں تقسیم کر لیا. اس کے سوتیلے بھائی نے یورپ کے مقبوضات کو سنبھال لیا. اس کی بی بی رخشانہ اس کی موت کے وقت حاملہ تھی. اس کی اولاد کے پیدا ہونے کے انتظار میں ایشیا کے مفتوحہ ممالک پر پردکّاس کو مختارِ کُل مقرر کیا گیا. جتنی ریاستیں تھیں اُن پر وہاں کے سپاہ لار قابض ہو گئے. چنانچہ مصر پر بطلیموس، شام پر لاؤمیدون، ماد پر پائی تھون، کپادوکیا پر یومی نی اُدس، اور بلیشیا پر آنتی گونوس قبضہ جما بیٹھے. اسی طرح ہندوستان میں راجہ پورس حکمران رہا، اور آذربائیجان کو اپرو پاتیس دبائے بیٹھا رہا. غرض کہ اس طرح مرکزی حکومت کوئی بھی نہیں رہی کہ ان سب کو اپنے تصرف اور قابو میں رکھتی. پردکّاس نے بھی چاہا کہ مفتوحہ ممالک میں اتحاد قائم رکھے، مگر اُسے بطلیموس نے ایسی شکست دی کہ وہ بے دست و پا ہو کر اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا. سنہ ۳۱۹ ق م میں پھر ایک مرتبہ خانہ جنگی شروع ہوئی، اور یومی نی اُدس کو آنتی گونوس نے شوشتر کے قریب شکست دی. یہ فاتح چاہتا

تھا کہ سکندر کا جانشین ہو جائے؛ لیکن سیلوکوس نے اس کی ایک نہیں چلنے دی. سنہ ۳۰۱ ق م میں پھر جنگ ہوئی جو "جنگ جانشینی" کہلاتی ہی. آنتی گونوس نے جو سکندر کی جانشینی کا خواب دیکھ رہا تھا' اسی جنگ میں اس نے اس کی تعبیر معکوس دیکھی اور مارا گیا. اس چھین جھپٹ میں ایشیا کا بڑا حصّہ سیلوکوس اور اس کے جانشینوں کے ہاتھ میں رہ گیا. اس شخص کی سلطنت سنہ ۳۱۲ ق م سے شروع ہوتی ہی اور سلطنت سلوکی کہلاتی ہی.

سیلوکوس نے پہلے بابل کو اپنا پایۂ تخت بنایا؛ پھر سی لوسیا کو' جو دریاے دجلہ کے کنارے (حال کے بغداد کے قریب) واقع تھا؛ اور آخر کار انطاکیہ (واقع ملک شام) کو اُٹھ گیا. اس کے بعد اس کے پوتے نے سنہ ۲۶۱ سے ۲۴۶ تک حکومت کی. اسی کے زمانے میں باختر اور پارتھیا (خراسان) کے علاقے آزاد ہو گئے. اور خراسانیوں نے سمرقند سے مروتک کا مُلک اپنے قبضے میں کر لیا' پھر ایک جنگ میں گورگان کا علاقہ بھی لے لیا' جس کا صدر مقام استراباد تھا. خراسان کے جس خاندان نے یہ کارِ نمایاں کیا اس کا سر سلسلہ آشک نامی ایک شخص تھا' جس سے اشکانی خاندان کا آغاز ہوتا ہی.

سیلوکوس کے خاندان کا آخری تاجدار اَنتیوکوس تھا. اُسے ایک طرف تو رومیوں نے دبایا' دوسری طرف خود اُس کی بیہودی رعایا نے بغاوت کر کے اُسے ایسا کم زور کر دیا کہ آخر رومی اس کے مُلک کو ہضم کر گئے.

سچ ہی کہ ہمیشگی اللہ ہی کی ذات پاک کو ہی.

بابِ پنجم

۱۔ خاندانِ اشکانی[۱]

اَشک اول: ۲۵۰ تا ۲۴۷ ق م

اس خاندان کا بانی اشک تھا۔ اصل میں تو اُس کی قوم کے لوگ محض خانہ بدوش چروا ہے تھے، مگر دنیا کا قاعدہ ہی کہ جو شخص عظمت حاصل کرتا ہی اُسے کوئی بڑی نسبت دے دیتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہی کہ اشک بھی ہخا منشی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اور وہ تعلق یہ تھا کہ خشایارشا دوم کے ایک بھائی کا نام اشک تھا، اور یہ اشک اُسی کی اولاد سے تھا۔ اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ایرانیوں کا خون ان خانہ بدوش اقوام کے ساتھ مل چکا تھا، مگر بظاہر کوئی وجہ موجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اسے ہخا منشیوں سے منسوب کیا جائے۔ لیکن اگر اسے تسلیم کر لیا جائے، تو گویا ایرانیوں کی سلطنت اب از سرِ نو شروع ہوی۔ اور پھر اشک کا یہی کارنامہ کیا کم ہی کہ اُس نے ایران کو سلیوکوس کے خاندان اور اس کے تسلط سے آزاد کرا دیا۔ ایسی صورت میں کم ہی ایسا ہوتا ہی کہ تلواریں جلدی سے نیاموں میں چلی جاتی ہوں۔ چنانچہ ایک جنگ میں، جو غالباً باختر کے خلاف تھی، اشک اول مارا گیا۔ وہ خوش بخت تھا کہ اُسے جانشین بھی اچھا ملا، جو اُس کا ہم نام بھی تھا۔

---
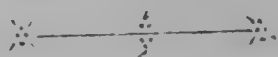
[۱] اہلِ عرب اس خاندان کو اشغانی کہتے ہیں۔ مسعودی اور فردوسی نے اس خاندان کو "ملوک الطوائف" بتایا ہی۔

اشک دوم، یا تیرداد

(۲۴۷ تا ۲۱۴ ق م)

یہ اشک اوّل کا بھائی تھا۔ سیلوکوس کے خاندان سے اس نے جنگ جاری رکھی اور صوبۂ گرگان اور اس کے صدر مقام استرآباد کو اُن سے خالی کرالیا۔ اس نے "شاہ بزرگ" اپنا خطاب مقرر کیا۔ یہ اتنا بڑا بادشاہ مانا جاتا ہے کہ اس کی تخت نشینی کے وقت سے تقویم کے سال کا شمار کیا گیا، بلکہ خراسانیوں نے اپنے قدیم رواج کے مطابق اپنے اس نیا (بزرگ) کی ایک طرح پرستش شروع کرکے اُسے تیرداد کے نام سے اپنا ایک خدا سا بنا لیا۔

سیلوکی خاندان سے جنگ کرنے کے بعد تیرداد کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو اُس نے اپنی نوزائیدہ سلطنت کا اندرونی انتظام کیا۔ لیکن ابھی وہ پوری طرح نظم و نسق سے فارغ نہ ہوا تھا کہ سنہ ۲۱۴ ق م میں اُسے موت نے آلیا۔ اس کے بعد اُس کا بیٹا

اردوان اوّل[1]

(۲۱۴ تا ۱۹۶ ق م)

تخت نشین ہوا۔ اس نے ہمدان فتح کیا۔ لیکن سیلوکوس کا خاندان ابھی تک حرکات مذبوحی کیے جا رہا تھا۔ اردوان نے انیتوکوس کو ہمدان دے کر صلح کرلی، اور اطمینان سے اپنی مملکت کے انتظام میں مصروف ہوگیا۔ جلد ہی کُل ایران نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔ اس نیک خصال اور رعایا پرور بادشاہ نے اپنی سلطنت کی بنیادوں کو بہت کچھ مضبوط

---

[1] اس کا یونانی نام اَرتابنُوس تھا۔

کردیا۔ اس نے سنہ ۱۹۶ میں وفات پائی، اور اس کا بیٹا اس کا جانشین ہوا۔

فرہاد[1]

(۱۹۶ تا ۱۷۴ ق م)

یہ اپنے باپ کا وارث تخت و تاج ہوا۔ چوں کہ اہل باختر ہندوستان کی فتح کی تیاریوں میں مصروف تھے، اس لیے اس کا زمانہ بہت امن و امان کا گزرا۔ اس کے بیٹے فرآتیس نے طبرستان اور مازندران کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ اُس نے سنہ ۱۷۴ میں قضا کی، اور اس کا بھائی

مہرداد اول[2]

(۱۷۴ تا ۱۳۶ ق م)

اس کا جانشین ہوا۔ یہ شخص بلند ہمت، عاقل اور دلاور تھا۔ اس نے مَرو کو باختریوں سے چھین کر اپنے سپاہ سالار کو دے دیا۔ ماد کے علاقے میں طوائف الملوکی برپا تھی۔ وہاں کے ان سب حکم رانوں کو ہٹا کر اس پر بھی قبضہ جمالیا۔ صرف یہی نہیں، بلکہ اُس نے سوسیانا سے لے کر بابل تک کے تمام علاقوں کو اپنا جولان گاہ بنائے رکھا۔

اس عرصے میں سیلوکوس کا خاندان رومیوں سے لڑتے اور یہودیوں کی بغاوت کو فرو کرتے کرتے بہت کچھ کمزور ہوچکا تھا۔ مہرداد کے بیٹے فرہاد (دوم) نے کئی بار اُن پر فوج کشی کی اور ان کے کئی علاقے چھین کر اپنی سلطنت میں شامل کرلیے۔ غور کیا جائے تو اشکانی خاندان کی عظمت قائم کرنے والا درحقیقت یہی مہرداد اول ہوا ہے۔ اس کے بعد

---

[1] اس کا یونانی نام فریاپی تیس تھا۔ [2] اسے یونانی لہجے میں متھراداتیس کہتے تھے۔

اس کا فرزند فرہاد اُس کا وارث ہوا۔

فرہاد دوم

یہ بادشاہ بھی بڑا عقیل مشہور ہی۔ امید تھی کہ اس کی سلطنت بے خلش ہوگی۔ مگر سیتھیا والوں نے بغاوت کر دی' اور اُسی کو فرو کرنے کی کوشش میں اُس کی جان گئی۔

مہرداد دوم

یہ فرہاد دوم کا بیٹا تھا۔ اسے تخت پر بیٹھتے ہی خانہ جنگی سے دوچار ہونا پڑا۔ دو اُدمیوں نے تخت کا دعویٰ کیا' لیکن مقابلے میں آکر دونوں مارے گئے۔ اس کے بعد بھی یہ جنگ جاری رہی' جس میں مہرداد کی حدود سلطنت مشرق کی جانب بھی بڑھیں اور دوسری طرف فرات اور آرمینیا تک پہنچ گئیں۔ اسی زمانے میں اسی بادشاہ کے ایک ہم نام شخص نے آسیائے کوچک میں ایک زبردست سلطنت قائم کی' جس نے رومیوں کی پیش قدمی کو روک دیا۔ لیکن تین لڑائیوں کے بعد یہ غریب مارا گیا۔

مہرداد دوم کے بعد کچھ زمانہ ایسا گزرا ہی کہ سنہ ۷۶ تک ایران میں کوئی بادشاہ نہیں رہا۔ آخر فرہاد دوم کے ایک بوڑھے بھائی نے زمام سلطنت سنبھالی اور خود کو شہنشاہ کہلایا۔ اس اثناء میں آرمینیا کے بادشاہ نے دجلہ اور فرات کے مابین کے دوآبے کو تباہ کر دیا۔ یہ بوڑھا شہنشاہ زیادہ نہیں جیا۔ اس کے بعد پھر ایک فرہاد تخت نشین ہوا۔

فرہاد سوم : سنہ ۶۹ ق م

اُسے مجبوراً ایک جنگ میں شریک ہونا پڑا۔ لیکن اس کا ایک نیک انجام یہ ہوا کہ عراق عرب کا ملک جو اس کے باپ کے ہاتھ سے نکل گیا تھا پھر اس کے قبضے میں آگیا۔

اس کے دو بیٹے مہرداد (سوم) اور اُرود اُس کے دشمن ہو گئے اور انھوں نے اُسے زہر دے کر مار ڈالا۔

مہرداد سوم: سنہ ۶۰ ق م

اس شخص نے تخت پر آتے ہی ظلم و ستم پر کمر باندھی۔ سلطنت کے امراء اور عمائد نے مل کر اسے چار برس کے بعد ہی تخت سے اتار دیا۔ اس عرصے میں اس نے بابل کو پھر سے فتح کر لیا تھا۔ وہ واپس آ رہا تھا، مگر راستے ہی میں اپنے بھائی اُرود کے ایماء سے قتل ہوا۔

اُرود اول: سنہ ۵۶ ق م

اس شخص کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے کراسّوس کو جو رومیوں کی طرف سے شام کا حاکم تھا، حرّان کی مشہور جنگ میں شکست فاش دی۔ اس جنگ میں بیس ہزار رومی میدان میں کام آئے اور دس ہزار گرفتار ہوئے۔ کراسّوس بھاگتے ہوئے پکڑا گیا، اور اس کا سر کاٹ کر ایک شہر میں نمایاں مقام پر لٹکا دیا گیا۔ یہ اتنی زبردست فتح تھی کہ اس کے بعد بہت عرصے تک یورپ کو ایشیا کی طرف رُخ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اس فتح سے اُرود کی ہمت اور بھی بڑھ گئی۔ اس نے شام پر حملہ کر دیا۔ انطاکیہ میں اُس کا ایک سپاہ سالار مارا گیا۔ لیکن نو برس کے بعد اس کے بیٹے نے اس کا بدلہ لے لیا۔ سنہ ۴۲ میں رومیوں نے شہر فلپّی بھی اپنے ہاتھ سے کھو دیا، حال آں کہ اشکانی اُن کے مددگار تھے۔ اس کے بعد ان دونوں کی بگڑ گئی۔ اگرچہ اشکانی بڑی آسانی سے یروشلم تک پہنچ گئے تھے، مگر شمالی شام میں ان کو شکست اٹھانی پڑی۔ اُرود کا بیٹا جو ان مہموں کا روحِ رواں تھا، اسی جنگ میں مارا گیا۔ اُرود کو بیٹے کے مرنے سے سخت صدمہ ہوا۔ وہ حکومت

سے بھی تھک گیا تھا۔ ان وجوہ سے اُس نے سنہ ۳۷ میں تخت چھوڑ دیا۔

فرہاد چہارم: سنہ ۳۷ ق م

اوراد کا یہ بیٹا اور جانشین ایک خواص کے بطن سے تھا۔ تخت پر آتے ہی اُس نے اپنے بھائیوں اور تخت کے دوسرے دعوے داروں کو قتل کرا دیا۔ باپ مانع ہوا تو اُسے بھی دم خفا کر کے مار ڈالا۔

اس کے زمانے میں رومیوں کے ایک سپاہ سالار انتونی نے کراسوس کا بدلہ لینے کے لیے اس پر فوج کشی کی مگر سخت شکست کھائی۔ وہ آرمینیا کی طرف بھاگا، اور بہ مشکل تمام اپنے آپ کو اور اپنی فوج کو تعاقب کرنے والے اشکانیوں سے بچا سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً سو برس تک رومیوں نے پھر ایشیا کا رُخ نہیں کیا! جب رومیوں نے دیکھا کہ وہ میدانِ جنگ میں فرہاد پر بازی نہیں لے جا سکتے، تو انھوں نے اہلِ یورپ کی سی چال چلی، اور دب کر صلح کر لی۔ اسی دوران میں اُنھوں نے اطالیہ کی ایک حسین عورت مُوسا، تحفے کے طور پر اس کو بھیجی۔ اسے فرہاد نے خواص بنا کے رکھا، اور اس سے چار بیٹے ہوئے۔ مُوسا نے، جیسا کہ ہر ایسے شخص سے اندیشہ ہونا چاہیے، خفیہ خفیہ رومیوں کا اثر پھیلایا: اور جب اُس کے لڑکے جوان ہوئے تو انھیں روما بھیج کر وہیں پرورش کرایا۔ اس سے اس کے دو مطلب تھے: رومیوں کا اثر اور نفوذ بڑھانا، اور اپنے ہی بیٹوں میں سے کسی ایک کو بادشاہ بنانا۔ جب وہ اور بڑے ہوئے تو اس نے انھیں واپس بلا لیا، اور آخر انھیں میں سے ایک کے ہاتھ سے باپ کو زہر دلوا کر فرہاد پنجم کے نام سے بادشاہ بنوا دیا۔

فرہاد پنجم

یہ برائے نام ہی بادشاہ تھا، اور اس کی ماں اس کی حکومت میں شریک غالب تھی۔

چنانچہ اس بادشاہ کے جو سکّے برآمد ہوئے ہیں ان میں دونوں ماں بیٹے کی تصویریں بنی ہوی ہیں۔ گو ان دونوں کی متفقہ حکومت بھی دو برس سے زیادہ نہیں چلی، مگر رومیوں کا یہ مقصد کہ فرہاد چہارم سے انتقام لیا جائے اور اُس کے ملک میں اپنا اثر بڑھایا جائے وہ اس عورت کے ذریعے بخوبی حاصل ہوگیا۔ اتنے میں شاہی خاندان کا ایک شخص سلطنت کا دعوے دار ہو کر کھڑا ہوا اور

اورود دوم

لقب اختیار کر کے تخت نشین ہوا۔ وہ چار برس ہی بادشاہت کرنے پایا تھا کہ شکار کھیلتے ہوے مر گیا۔ اب کوئی شخص شاہی خاندان سے باقی نہیں رہ گیا تھا۔ خراسانیوں نے روما کو لکھا کہ فرہاد کے بڑے بیٹے وی نونیس کو بھیج دیں۔ لیکن وہ وہاں بالکل یورپی ہو چکا تھا اور اس نے ایشیا میں واپس آنا نہیں چاہا۔ ایسی صورت میں ناچار

اردوان سوم

کو بادشاہ بنایا گیا۔ یہ اپنی ماں کی طرف سے اشکانی اور ماد کی چھوٹی سی ریاست پر حکمراں تھا۔ اس کا ایک بھتیجا جو روما میں رہتا تھا، اس سے آکر برسرِ پیکار ہوا، اور چند روز کے لیے اسنخر میں داخل بھی ہو گیا۔ لیکن اردوان نے اسے سنہ ۳۹ میں ملک سے نکال باہر کیا۔ اردوان آرمینیا کو دوبارہ لینا چاہتا تھا، مگر رومیوں نے اس کی مخالفت کی، اور وہ اپنے ارادے سے باز آگیا۔ اردوان تیس برس سلطنت کر کے مر گیا۔

اوردوس[1]

اردوان سوم کے مرنے کے وقت اس کا بیٹا اوردوس جو وارث تخت تھا، وہاں موجود نہ تھا. اس لیے ایک شخص گودرز[2] پایۂ تخت پر قابض ہو کر بادشاہ بن بیٹھا. دردانیس نے آ کر اسے نکال دیا. لیکن ان کی دشمنی زیادہ عرصے تک نہیں چلی، کیوں کہ گودرز نے اوردوس کو ایک سازش سے آگاہ کیا. اس کا انعام اسے یہ ملا کہ اوردوس نے اپنے بعد اُسے جانشین تسلیم کیا. سنہ ۴۵ میں اوردوس کو مار ڈالا گیا، اور معاہدے کے موافق

گودرز

بادشاہ ہوا. یہ شخص سخت بے رحم اور ظالم تھا. جب رعایا اس کے ہاتھوں تنگ آ گئی تو انھوں نے فرہاد چہارم کے پوتے مہرداتا (مہرداد) کو بادشاہ بنا دیا. گودرز نے اُسے گرفتار کر کے اس کے کان کٹوا دیے کہ وہ بادشاہ نہ ہونے پائے. گودرز سنہ ۵۱ میں مرگیا. اس کے بعد

وونونیس[3]

بادشاہ ہوا، جس کی اصل و نسل کا کچھ پتا نہیں چلتا. وہ چند مہینے ہی حکومت کر سکا تھا کہ مرگیا، اور اس کا بیٹا

---

[1] یونانی اسے دردانیس کہتے تھے. [2] یونانی لہجے میں اس کا نام گوتارزیس تھا.
[3] ظاہر ہے کہ یہ اس نام کا یونانی لہجہ ہے، اصل ایرانی کا پتا نہ چلا.

وَلگَش[1] (بلاش) اول : ۵۱ تا ۷۵ ء

اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اس عرصے میں رومی برابر تاک میں لگے ہوے تھے۔ انھوں نے سلطنت کو کم زور ہوتے دیکھ کر اس پر حملہ کر دیا اور دو چار مقامات پر قابض بھی ہو گئے۔ چنانچہ آرمینیا پھر ایک مرتبہ رومیوں کے ہاتھ میں چلا گیا۔ ولگش غضبناک ہو کر اٹھا اور وہ شہر رومیوں سے چھین کر وہاں اپنی طرف سے ایک شخص کو حاکم بنا دیا۔ اس لڑائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایشیا کے اکثر حصوں پر ایران کا اقتدار قائم ہو گیا۔

ولگش کے مرنے پر مسلسل کئی بادشاہ ہوے، جن کے حالات ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہیں، مگر اُن کے نام یہ بتائے جاتے ہیں :- ولگش دوم، پرکوروس سوم، اردوان چہارم۔

اس مدت میں اشکانیوں کی سلطنت بے حد کم زور ہو چکی تھی، اور اُن کے آپس میں خانہ جنگیاں برپا تھیں۔ رومیوں نے موقعے کو غنیمت جان کر دخل دینا شروع کیا۔ اس دخل دفصل میں ترازان نام ایک رومی نے بہت نام پیدا کیا۔ کنارہ دجلہ کی کامیابیوں اور سلیشیا کی فتح نے اس کے حوصلے اتنے بڑھا دیے کہ وہ نہ صرف ایران بلکہ ہندوستان فتح کر لینے کے خواب دیکھنے لگا۔ غنیمت یہ ہوا کہ اسے اتنی مہلت ہی نہیں ملی کہ اپنے ان ناپاک ارادوں میں کامیاب ہوتا۔

سنہ ۱۰۷ عیسوی میں یہاں خسرو نام ایک بادشاہ تھا۔ اس پر جو رومیوں کا دباؤ پڑا تو وہ بھاگ گیا، مگر جاتے جاتے بھی جس قدر ہو سکا ملک کو تباہ کر گیا۔ ترازان نے اُس کے بیٹے کو بادشاہ بنا دیا، اور خود بھی واپس روانہ ہو گیا۔ راستے ہی میں تھا کہ سلیشیا

---

[1] اس نام کا یونانی تلفظ ولگیسس ہے، اور ایران میں یہی نام بعد میں بلاش بن گیا تھا۔

میں موت نے آپکڑا۔ اس کے جانشین ہیدریان نے خسرو سے سنہ ۱۲۳ء میں صلح کرلی۔ مگر خسرو بھی سات برس کے بعد مر گیا۔

ولگش دوم

یہ خسرو کا بڑا بھائی تھا۔ اس نے اٹھارہ برس حکومت کی، مگر اس کے وقت میں کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا۔

ولگش سوم

(سنہ ۱۴۸ تا ۱۹۱ء)

اس کے باپ سے رومیوں نے جو معاہدہ کیا تھا اس کی رو سے آرمینیا پر اشکانیوں کا اقتدار تسلیم کرلیا گیا تھا۔ وہاں ایک رومی حاکم تھا۔ ولگش نے اسے ہٹا کر اپنے بھائی کو وہاں بھیجا۔ رومیوں کو باوجود معاہدے کے یہ امر گوارا نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ ہوی، جس میں مقام صالحیہ کے قریب اشکانیوں کو شکست ہوی۔ رومیوں نے استخر کے شاہی محل کو تباہ کردیا اور سلوشیا کو جلا کے خاک سیاہ کردیا۔ ابھی امن قائم نہیں ہونے پایا تھا کہ ولگش نے وفات پائی۔

ولگش چہارم

اس کے وقت میں رومیوں نے پھر فوج کشی کی، اور ایک مقام پر اپنی چھاؤنی قائم کرلی۔ اس پر دونوں کی جنگ ہوتی رہی۔ یکایک رومی استخر پہنچ گئے اور شہر کو لوٹنے کے بعد تباہ کردیا۔ اشکانیوں نے عربوں کی مدد سے رومیوں کے آلات حرب اور منجنیقوں کو جلا ڈالا اور تباہ شدہ شہر کو رومیوں کے قبضے سے بچالیا۔ یہ سنہ ۱۹۹ء کا واقعہ ہے۔

ولگش پنجم

اس کے تخت پر آتے ہی اس کے بھائی اردوان پنجم نے اس پر فوج کشی کی۔ یہ خانہ جنگی ہو ہی رہی تھی کہ رومیوں نے پھر ایک مرتبہ حملہ کیا۔ اردوان پنجم نے دو دفعہ ان کو شکست دی، اور انھوں نے دب کر اور بہت کچھ دے کر صلح کرلی۔ لیکن یہ جنگ محض موت کا افاقہ ثابت ہوی۔ اب اشکانی اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ ان کا خاتمہ ہی ہو گیا۔

یوں اشکانیوں نے ساڑھے پانچ سو برس سے زیادہ (بقول مسعودی ۵۴۹ برس) حکومت کی۔

اس عرصے میں فارس میں ایک اور شاہی خاندان بڑھ رہا تھا۔ یہ مقدر ہو چکا تھا کہ وہ ہخامنشی خاندان کی بنیادوں پر اپنی ذات سے ایک اتنا بڑا قلعہ بن جائے کہ رومیوں کو ایشیا کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ ہو۔ یہ خاندان ساسان کا تھا۔

اشکانیوں پر نگاہِ بازگشت

اس خاندان کی عمر کم و بیش پانچ سو برس کی ہوی۔ ہمت، جرأت، مردانگی اور فنِ سپاہ گری میں یہ خاندان کسی سے کم نہ تھا۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان پیدا ہی اس لیے ہوا تھا کہ یورپ کو ایشیا میں داخل نہ ہونے دے۔ سکندر مقدونی کی ذریات نے ایشیا میں خوب پاؤں پھیلا رکھے تھے۔ ان کو ایشیا سے خارج کر دینے کا سہرا اشکانیوں ہی کے سر ہے۔ اس کے بعد یورپ نے روما کی تلوار کو ایشیا پر قبضہ کرنے اور تسلط جمانے کا آلہ بنایا، مگر اشکانیوں ہی کی ہمت اور دلاوری تھی کہ یورپ کو

ایشیا میں داخل ہونے سے روکے رہے۔ باوجود اس کے یہ خاندان اس معنی میں باعظمت نہیں کہا جائے گا کہ اس نے دنیا کو کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچایا۔ اس میں کوئی شُبہہ نہیں کہ انھوں نے ایشیا کو یورپ کا لقمۂ تر نہیں بننے دیا' اور یہ اُن کا وہ احسان ہی جس سے ایشیا کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتا۔

افسوس یہ ہی کہ اشکانیوں نے کوئی ایسے آثار نہیں چھوڑے کہ ان کی سیاسی اور تمدنی تاریخ کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم کی جا سکے۔ بہرکیف' ان کے متعلق جو امور کہ معلوم اور ظاہر ہیں' وہ یہ ہیں:

اشکانی بادشاہ کو اس کی رعایا ایک قسم کی شان ربوبیت دیے ہوئے تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ کسی اشکانی کو بُری نگاہ سے بھی دیکھے۔ سوا اس کے جس میں اشکانی خون ہو' کوئی شخص بادشاہ نہیں ہو سکتا تھا۔ باوجود اس غیر معمولی عزّت واحترام کے دو مجلسیں ایسی تھیں جو بادشاہ کے اعمال وافعال کی نگران تھیں۔ ان میں سے ایک کے ارکان شاہی خاندان کے افراد ہوتے تھے' اور دوسری کے مقتدایانِ دین۔ بادشاہ کی تاج پوشی کے لیے کوئی تجربہ کار بہادر سپاہ لار انتخاب کیا جاتا تھا' اور وہی بادشاہ کے سر پر تاج رکھتا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہی کہ شاہی محافظانِ ذاتی کے سوا کوئی باقاعدہ مقرر فوج نہ تھی جب ضرورت پڑتی تھی بادشاہ اپنے ماتحت رُؤَسا کے نام حکم بھیجتا تھا کہ اس قدر فوج فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر پہنچ جائے' اور جمع ہوتے ہی اسے موقع جنگ کی طرف روانہ کر دیا جاتا تھا۔ پیادہ فوج کچھ زیادہ کارآمد نہیں ہوتی تھی' سوارہ سے زیادہ کام لیا جاتا تھا۔ بڑا نقص یہ تھا کہ فوج سے زیادہ عرصے تک بھی کام نہیں لیا جا سکتا تھا۔ معلوم ہوتا ہی کہ بحری لڑائی کے لیے کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔

بادشاہ موسم سرما میں زیادہ تر اِستخر میں رہتا تھا اور گرما میں زیادہ تر ہمدان میں۔ غالباً

رَی میں بھی ایک شاہی محل تھا' اور ایک بابل میں تھا جس کی چھت تانبے کی تھی او
زنانہ اور مردانہ کمرے جدا جدا تھے. اس کے جھروکوں میں چاندی کی جالیاں تھیں' اور
پردوں میں نہ صرف کلابتوں ٹکا ہوتا تھا بلکہ سونے کے پترے بھی لگے ہوتے تھے.

بادشاہ زیادہ تر مادی وضع کا لباس پہنتا تھا' بڑے بڑے بال رکھتا تھا' مانگ نکالتا
تھا اور چہرے پر اُبٹن وغیرہ کا استعمال کرتا تھا. جب وہ جنگ پر جاتا تھا تو کم از کم دس ہزار
ذاتی محافظ اس کے جلو میں ہوتے تھے.

اشکانی زمانے میں عورتوں کی حیثیت وہی معلوم ہوتی ہی جو اب ہندوستان میں ہی. ایک
مرد متعدد نکاح کر سکتا تھا. بادشاہ کی ملکہ تو ایک ہی ہوتی تھی' مگر اس کی بھی کوئی بڑی
حیثیت نہیں ہوتی تھی. موسا نے البتہ زیادہ اقتدار حاصل کر لیا تھا. پھر ملکہ کے علاوہ خواصوں
کی گویا فوج کی فوج ہوتی تھی. عورتیں غالباً پردے میں رہتی تھیں. مرد میدانِ جنگ
سے فرصت پاتے تھے تو شکار اور تفریح میں مشغول رہتے تھے یا شراب و کباب و سرود
میں. وہ ہر جانور کا گوشت کھاتے تھے.

خراسان کے موجودہ اور اس زمانے کے لباس میں کچھ زیادہ فرق نہیں پڑا ہی. وہ لوگ
زیادہ تر سر پر ایک رومال سا باندھتے رہتے تھے' یا بالوں کو ایک فیتے سے سنبھالے رہتے
تھے' اور ڈاڑھیاں رکھتے تھے. اُن کے رسم و رواج اور قوانین کا کچھ حال معلوم نہیں ہی'
مگر اتنا ضرور معلوم ہی کہ وہ لوگ عام طور پہ نرم دل اور رحم کرنے والے ہوتے تھے مگر اُن
کی قانونی سزائیں سنگ دلی اور بے رحمی کی حد تک پہنچی تھیں. ان کی راہ و رسوم زیادہ تر
خانہ بدوشانہ تھیں' لیکن یونان کی تہذیب کا ان پہ بہت کچھ اثر تھا. خاص اُن کی بنائی
یا تصنیف کی ہوئی علمی کتابوں کا ہمیں علم نہیں ہی' لیکن اتنا ضرور قیاس ہی کہ ان کے
یہاں یونانی علوم رائج ہوں گے. اُن کے تعمیری آثار اشوریہ کے برباد شدہ شہروں'
خاص کر ہترہ میں ملتے ہیں. یہ شہر اُن ہی کا بسایا ہوا تھا. اس کے گرد بڑی مضبوط شہر پناہ

تھی جس میں برج اور دروازے تھے۔ اس کے کچھ آثار اب تک باقی ہیں۔ شہر کا رقبہ تین میل کا تھا، اور اس کے درمیان میں شاہی محل تھا۔ اس میں سات کمرے ایک دوسرے کے مقابل معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی چھتیں محرابوں پر قائم تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ساسانیوں نے محراب کا خیال اشکانیوں ہی سے لیا تھا، پھر ان کے بعد مسلمانوں نے اُسے اپنی عمارتوں میں استعمال کیا۔ مسلمانوں کے ذریعے محراب یورپ تک پہنچی اور آج تک وہاں موجود ہے۔ ان کے علاوہ اشکانیوں کے زمانے کے کچھ محلات اور مکانات عراق عرب میں بھی کھودے گئے ہیں۔ اسی طرح بہستون میں بھی ان کے وقت کے کچھ آثار کھدائی کر کے برآمد کیے گئے ہیں۔ ان کے بادشاہوں کے کچھ سکے بھی کھدائی میں ہاتھ لگے ہیں۔

ابتداء میں خراسانی (اشکانیوں سمیت) اپنے بزرگوں کو پوجتے تھے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ ان کا کوئی دین تھا ہی نہیں۔ پھر انھوں نے زرتشتی دین سے بہت سی باتیں اخذ کیں۔ آفتاب کو میتھرا (مہر) کہتے تھے، اور طلوع ہونے کے وقت اُسے سجدہ کرتے تھے۔ چوں کہ چاند کا تعلق سورج سے تھا اس لیے اس کا بھی ادب کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہرمزد کے چند مشیروں کے بھی قائل تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ وہ بادشاہ اور شاہی خاندان کے نگران رہتے ہیں۔ عوام میں زیادہ تر بزرگوں کی پوجا ہی جاری رہی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھوت پریت اور جادو ٹونے کو بھی مانتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ بابل قدیم کا اثر ہو۔ ان کے دینی مقتدا مجوس کہلاتے تھے، اور اُن کا بہت ادب و احترام کیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس احترام میں بہت کمی آگئی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ یہودیوں اور یونانیوں کے اثر کا نتیجہ ہو۔

ابھی میتھرا (مہر) کا ذکر ہوا ہے۔ چوں کہ یہ ایک جداگانہ مذہب تھا، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کی کچھ مختصر سی تفصیل کر دی جائے۔ میتھرا اصل میں آفتاب کا دوسرا نام ہے؛ گویا میتھرا سورج دیوتا تھا۔ اسے ہرمزد نے پیدا کیا تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ میتھرا بہت ہی رحیم مخلوق، دین دار اور پاکیزگی کا خاص دیوتا اور انسان کا محافظ ہے۔ شاید

اسی وجہ سے وہ سپاہیوں میں بہت زیادہ مقبول تھا۔ متھرائی مذہب کی شروعات آسیائے کوچک اور عراق عرب سے ہوئی۔ کلدیہ اس کا مقدس مقام شمار ہوتا تھا، اور بابل میں اس کا مندر تھا۔ اس کا ایک بت نمرود داغ میں بھی رکھا گیا تھا۔ ہشتاسپ کے بیٹے دارا اول، نے اس مذہب کو خوب رواج دیا تھا، بلکہ متھرا کی یادگار میں ایک تیوہار منانے کا بھی حکم دیا تھا۔ متھرا کے مجوسیوں کے پاس کوئی مقدس کتاب وغیرہ نہیں تھی۔ دینی تعلیم محض سینہ بہ سینہ ہوتی تھی۔ بڑی دینی رسم یہ تھی کہ ایک سانڈ متھرا کے نام سے قربان کیا جاتا تھا۔ یہ دین سپاہیوں کے ذریعے سے سنہ ۶۸ ق م میں روما پہنچ چکا تھا، جہاں یہ اس شدت سے رائج ہوا کہ جب دین مسیحی شروع ہوا تو اس کا ایک حریف ائی زیز[1] کا دین تھا اور دوسرا متھرا کا۔ ان کو یورپ سے نکال کر پھینکنے میں بڑے بڑے ظلم و ستم ہوئے۔ یہ ختم تو کر دیے گئے، مگر ان دونوں کی اکثر رسوم مسیحیت کا جزو ہوگئیں، اور شاید ابد تک بھی اس سے جدا نہیں ہوسکتیں! متھرا کے ساتھ ایک اور دیوی اناہت کا بھی نام آتا ہے، مگر اسے وہ وقعت حاصل نہ تھی جو متھرا کا حصہ تھی۔ یہ آب پاشی کے پانی کی دیوی تھی، اور شادیوں اور زچگی کے موقعوں پر اس سے مدد مانگی جاتی تھی۔ ایک اشکانی بادشاہ نے اُس کے بت اپنی تمام سلطنت میں لگوائے تھے۔ اس کی پوجا آرمینیا اور آسیائے کوچک میں بھی ہوتی تھی۔ متھرا اور اناہت کا ذکر کتاب اَوستا میں بھی آتا ہے۔

---

[1] یہ مصر قدیم کی ایک مشہور اور نہایت ممتاز دیوی تھی۔ اس کے دین کو یورپ سے نکالنے کی سخت کوشش کی گئی، لیکن مسیحی پادریوں کی تمام مساعی کے باوجود پتا چلتا ہے کہ وہ اب تک فرانس میں پوجی جاتی ہے۔

باب ششم

خاندانِ ساسانی

یہ وہ خاندان ہی جس نے ہخامنشی خاندان کا جانشین بن کر اُس کی عظمت کو چار چاند لگائے. فردوسی اور مسعودی نے اشکانی خاندان کو ملوک الطوائف کا نام دے کر چند سطروں میں اُن کا خاتمہ کر دیا ہی. اہلِ ایران اُس خاندان کو اپنے میں شمار نہیں کرتے اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، حال آں کہ حقیقت میں وہ ہرگز اس سلوک کے مستحق نہیں ہیں.

ساسانی خاندان نہ صرف ایک عظیم الشان خاندان تھا، بلکہ ایران کا محسن بھی تھا، کیوں کہ دراصل ایران کو اسی خاندان نے آزادی دلائی. اس خاندان کے حالات کے بیان میں اس وجہ سے اور بھی سہولت ہوتی ہی کہ ایران کی صحیح تاریخ اُسی کے وقت سے شروع ہوتی ہی. اس سے پہلے بہت کچھ روایات پر انحصار تھا.

ساسان کو مؤرخ مسعودی نے منوچہر کی اولاد بتایا ہی. مگر شاہ نامے سے معلوم ہوتا ہی کہ ساسان نام کا ایک شخص بہمن کا ولی عہدِ سلطنت تھا. بعد کو بہمن نے اپنی بہن ہُمای سے شادی کی. باپ کے مرنے کے بعد دارا پیدا ہوا. قاعدے قانون کے مطابق دارا ہی تخت و تاج کا وارث تھا. ساسان نے جب یہ دیکھا تو وہ مایوس ہوکر کُردستان چلا گیا اور چرواہے کا پیشہ اختیار کر لیا. اسی ساسان کی اولاد سے یہ خاندان تھا جو اپنے جدِ اعظم سے منسوب ہوکر ساسانی کہلایا. یوں ان کا شجرۂ نسب ہخامنشی خاندان سے جا ملتا ہی. لطف یہ ہی کہ اشکانی بھی اپنے آپ کو ہخامنشیوں کی اولاد بتاتے ہیں، لیکن ساسانی ان کو اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے.

قاعدہ ہی کہ اللہ جس خاندان کو عزت و عظمت عطا فرماتا ہی اس کے متعلق طرح طرح کے دُور از کار قصے گھڑ لیے جاتے ہیں۔ خاندان ساسانی بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں رہا۔ ان سب سے قطع نظر، ساسان اناہت دیوی کے مندر، واقع اصطخر کا پجاری تھا۔ اُس کی بیوی رام بہشت خاندانِ بازرنگی کے بادشاہوں میں سے ایک کی بیٹی تھی، جن کا دارالسلطنت ایک چھوٹا سا شہر نسایک[۵] نامی تھا۔ ساسان کا بیٹا پاپک (یا بابک) اسی رام بہشت کی بطن سے تھا۔ یہ خیبر کے علاقے کا حکمران تھا جو خلیج بختگان پر اس سڑک پر واقع تھا جو سروِستان سے نیریز کو جاتی تھی۔ بابک نے اپنے بیٹے اردشیر کو اشکانیوں کے ایک بادشاہ گُذہر کی طرف سے داراب جرد کا قلعہ دار کرا دیا۔ تقدیر کہہ رہی ہوگی کہ یہ قلعہ داری نہیں ہی ایران کی شہنشاہی ہی۔

اردشیر نہایت بلند نظر آدمی تھا۔ اس کو ہخامنشی خاندان کی جانشینی کے خواب نظر آنے لگے۔ بابک نے گذہر کو قتل کر کے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا، اور اردوان پنجم سے کہا کہ اس کے بڑے بیٹے شاپور کو اُس کا جانشین تسلیم کر لیا جاے۔ اردوان نے انکار کیا۔ مگر اس انکار کی کوئی وقعت نہیں ہوی، کیوں کہ شاپور اپنے باپ کا جانشین ہوا اور اس نے اپنے بھائی اردشیر سے بھی اپنی بادشاہت منوالی۔ اتفاق سے ملکہ ہُمای کے محل کی ایک محراب گری، اور شاپور اس کے نیچے دب کر مر گیا۔ اب اردشیر کے لیے راستہ صاف تھا، چنانچہ وہ بھائی کی جگہ بادشاہ ہوا، اور فوراً اپنے ارادوں کی تکمیل کی فکر میں لگ گیا۔

سب سے پہلے اس نے کرمان فتح کر کے اپنے بیٹے اردشیر کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ پھر یکے بعد دیگرے شُوسیانا، اصفہان، یہاں تک کہ عُمان تک فتح کر لیا۔ یہ حالت دیکھ کر

---

[۵] وہاں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا جس کی دیواریں سفید تھیں۔ اس لیے اہلِ عرب اُسے بَیضاء (یعنی سفید) کہتے تھے۔ قرآن مجید کے مشہور مفسر قاضی ابوالحسن محمد بیضاوی وہیں کے رہنے والے تھے۔

سنہ ۲۲۴ء میں اردوان پنجم نے خود اُس کا مقابلہ کیا، مگر شکست کھا کر مارا گیا۔ دو برس کے بعد استخر بھی اردشیر کے قبضے میں آگیا۔ اب کیا تھا، اردوان کا خون گویا اردشیر کی تاجپوشی تھی، اور استخر کا قبضہ تمام ایران کا تخت تھا۔

روم سے انتقام لینا سب سے بڑا اور سب سے پہلا قومی کام تھا۔ اردشیر نے اس کا تہیہ کیا، مگر مقابلے میں بھی زبردست آدمی تھے، اس لیے اسے رُکنا پڑا۔ لیکن سنہ ۲۳۷ء میں اس نے نصیبین اور حرّان کو لے ہی لیا۔

اردشیر نے دین زرتشتی کے موافق حکومت کی، اور خوب پھل پایا۔ اس نے کئی شہر آباد کیے جو مسلمانوں کے زمانے تک اسی سے منسوب رہے۔ اس نے سنہ ۲۴۱ء میں انتقال کیا، اور شاپور اول اس کا جانشین ہوا۔

شاپور اول

(سنہ ۲۴۱ تا ۲۷۲ء)

سنہ ۲۴۲ میں شمال میں جنگ جاری تھی۔ اہلِ ایران انطاکیہ تک بڑھ گئے۔ رومی بادشاہ گوردیان سوم نے شاپور کو شکست دی۔ اس کا معاوضہ یوں ہوا کہ اس نے عرب بادشاہ فیلقوس سے صلح کر کے ارمینیا اور عراق عرب پر قابض ہو گیا۔ شاپور کا سب سے بڑا جنگی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایدیسہ کے مقام پر رومی شہنشاہ ویلریان کو شکست دے کر قید میں ڈال دیا، اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے اپنے نئے آباد کیے ہوئے شہر جندی شاپور میں نظر بند کر دیا، جو شوشتر اور دِزفُول کے درمیان میں واقع تھا۔ اس نے ان قیدیوں سے دریائے کارون پر بند بندھوا دیا اور اُس کا نام شاذُروان (یعنی آبِ روانِ شیریں) رکھا، جو اس وقت تک باقی ہے۔ شاپور کی اس فتح کی یادگار اس

شاپور اول

کی ایک تصویر ہی جو نقشِ رستم میں کھودی گئی تھی اور اب تک باقی ہی. شاپور نے سنہ ۲۷۲ ؁ء میں قضا کی.

اس زمانے کا بہت بڑا واقعہ یہ ہی کہ جس روز شاپور کی رسم تاجپوشی ہوی اسی روز سب سے پہلے مانی نے اپنے مذہب کا اعلان اور وعظ شروع کیا.

قبل اس کے کہ آیندہ سلسلۂ تاریخ جاری رکھا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہی کہ مانی اور اس کے مذہب کا کچھ حال بیان کر دیا جائے.

مانی پیغمبرِ ایران

خود ایران میں، اور ہندوستان کے فارسی اور اردو ادیبوں میں مانی محض ایک نقاش یا مصور کی حیثیت سے مشہور ہی؛ حال آں کہ حقیقت میں وہ ایک مذہب کا بانی ہی. یورپ میں اس شخص کے متعلق بہت سا لٹریچر شائع ہو چکا ہی اور ہو رہا ہی. وہاں انیسویں صدی عیسوی کے شروع تک اس کے مذہب کو مسیحیت کی ایک شاخ سمجھا جاتا رہا. عیسائیوں نے آخرکار یہ قرار دیا کہ مانوی مذہب عیسویت کا ایک مردود فرقہ ہی. ایک جرمانی مستشرق سب سے پہلا عالم ہی جس نے عربی ماخذوں کو بنا قرار دے کر یہ امر ظاہر کیا کہ مانی ایک مستقل مذہب کا بانی ہی، اور اس کا مذہب عیسائی مذہب کی شاخ نہیں ہی. مانی کے متعلق تین زبانوں، یعنی سریانی، عربی اور فارسی میں مواد ملتا ہی. مگر بیرونی نے اپنی کتاب الآثار الباقیہ میں اور محمد بن اسحاق ابن الندیم نے اپنی الفہرست میں جو کچھ لکھا ہی وہ زیادہ مستند ہی، کیوں کہ ان کی تصدیق اُن ہزاروں برس پہلے کے نوشتوں سے ہوتی ہی جو حال ہی میں چینی ترکستان سے برآمد ہوے ہیں. بیرونی اور ابن الندیم کی تحریروں سے ذیل کی عبارتیں ماخوذ ہیں :-

مانی، اشکانی بادشاہ اردوان کے جلوس کے چوتھے سال، یعنی سنہ ۲۱۶-۲۱۵ ؁ء

میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام فَتَق (یا فاتاک) بابک بن بُرزام تھا۔ اس کا خاندان نیشاپور کا تھا اور حسکانی کہلاتا تھا۔ لیکن فتق نیشاپور کو ترک کر کے بابل میں جا بسا تھا، پھر وہاں سے بھی منتقل ہو کر استخر چلا گیا تھا۔ وہاں ایک مندر تھا جس میں فتق اکثر آتا جاتا رہتا تھا۔ اسے تین دن متواتر یہ الہام ہوتا رہا کہ "گوشت نہ کھا، شراب نہ پی، اور عورتوں سے سروکار نہ رکھ۔" اس الہام کے بعد وہ ان لوگوں میں چلا گیا جو دستِ میسان[1] میں رہتے تھے۔ یہ لوگ مُغتَسِلہ[2] یعنی ستارہ پرستوں کے ایک فرقے، میں سے تھے۔ ان لوگوں نے فتق کی تعلیمات کو بڑی آسانی سے تسلیم کر لیا۔

یوں مانی ایسے باپ کا بیٹا تھا جو خود صاحبِ الہام تھا۔ مانی کی پیدائش کے وقت اس کی ماں نے دل خوش کن خواب دیکھے اور حالتِ بیداری میں بھی عجیب و غریب باتیں اسے نظر آئیں، جن کو بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مانی ابھی بچہ ہی تھا کہ اس کا باپ اُسے لے کر اپنے رشتہ داروں کے پاس چلا گیا، جو اُسی کے ہم مذہب تھے۔ اس نے بچپن ہی میں بڑی ہوشمندی کی باتیں کرنا شروع کر دیں۔ بارہ برس کی عمر میں اسے وحی آنا شروع ہوئی۔ وحی لانے والا توم[3] تھا۔ پہلی وحی یہ تھی کہ "اس فرقے کو چھوڑ دے، تو ان میں سے نہیں ہے۔ تیرا کام تو شہوات کو قابو میں لانا ہے۔ مگر ابھی تیری عمر چھوٹی ہے، ابھی تو پیغمبر نہیں ہو سکتا۔" جب وہ چوبیس برس کا ہوا تو توم نے آ کر کہا کہ "اب وہ وقت آ گیا ہے کہ تو عوام میں نکل کر اپنی تعلیمات بیان کرے۔" چنانچہ اس نے عین اس روز کہ شاپور ابن اردشیر کی تاجپوشی ہو رہی تھی اپنے نئے مذہب

---

[1] دستِ میسان اس وقت اس خطے کا نام تھا جس میں بصرہ واقع ہے۔
[2] اس فرقے کا یہ نام اس وجہ سے پڑ گیا تھا کہ وہ نہاتے دھوتے بہت رہتے تھے۔
[3] توم: تام، اتامت، یعنی توام، ہم زاد۔

کا اعلان کیا۔ اس وقت اس کے دو رفیق، شمعون اور زکُو اس کے ساتھ تھے۔ اس کا باپ بھی یہ دیکھنے کے لیے اس کے ساتھ ہو لیا کہ اس کے فرزند کے نئے مذہب کا اعلان کا لوگوں پر کیا اثر ہوتا ہے۔

مانی کا پہلا دعویٰ یہ تھا کہ وہی وہ فارقلیط ہے جس کے آنے کی حضرت مسیح نے پیشین گوئی کی ہے۔ اس کے اصول مذہب کچھ تو مجوسیوں سے ماخوذ تھے اور کچھ مسیحیوں سے۔ جو خط اس نے اختیار کیا تھا وہ سُریانی اور فارسی کے بین بین تھا۔ غرض ہر چیز میں اس نے اپنا یہ اصول رکھا کہ "متاعِ نیک ہر دکّان کہ باشد" اور اس میں اپنے اغراض کے موافق ترمیم کر لی۔ ظاہر ہے کہ مانی کی جدتوں پر زرتشتی نہایت برافروختہ تھے۔ مانوی لوگوں کا بیان ہے کہ جب مانی شاپور کے دربار میں پہنچا، تو اس کے دونوں شانوں پر نُور کی دو لہریں دکھائی دیتی تھیں۔ یہ دیکھ کر شاپور نے اس کی بڑی تعظیم کی، اور نہ صرف یہ کہ اس کے مذہب کو اس نے خود قبول کر لیا بلکہ اپنی رعایا کو بھی یہی ہدایت کی۔ تقریباً دس برس تک شاپور مانی کے مذہب پر رہا؛ مگر بعد میں موبدوں نے اس اثر کو کم کر کے بادشاہ کو اس پر راضی کر لیا کہ مانی سے برسرِ دربار مباحثہ ہو۔ اس مباحثے میں مانی ہار گیا، اور اسی شاپور نے اُسے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ لیکن مانی ممالک ہند کی طرف بھاگ نکلا، اور شاپور کے مرنے تک وہیں چھپا رہا۔ پھر جب وہ اس کے جانشینوں کے زمانے میں ایران کو واپس آیا، تو پھر موبدوں سے سابقہ پڑا۔ چنانچہ وہ قید ہوا اور سخت بے دردی سے مارا گیا۔ یہ واقعہ غالباً سنہ ۲۷۷ - ۲۷۶ء کا ہے۔ اس کے پیرووں پر بھی مصیبت آئی، اور ہزاروں مرد، عورت اور بچے بڑی بے رحمی سے مارے گئے۔ لیکن بجائے اس کے کہ اس کا مذہب مٹتا، وہ اور بھی بڑھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے "دس احکام" کی طرح مانی کے بھی یہ دس احکام تھے:

(۱) بتوں کو مت پوجو؛ (۲) جھوٹ مت بولو؛ (۳) بخل نہ کرو؛ (کسی جان دا

کو نہ مارو؛ (۵) زنا نہ کرو؛ (۶) چوری نہ کرو؛ (۷) لوگوں کو بہانہ سازی اور جادوگری نہ سکھاؤ؛ (۸) مذہب کے معاملے میں شک کو دل میں راہ نہ دو؛ (۹) اپنے کاموں میں سستی نہ کرو؛ اور (۱۰) دن رات میں چار (یا سات) مرتبہ نماز پڑھو۔ یہ احکام سَمّاعُون یعنی عوام الناس کے لیے تھے۔ خواص کے لیے چار حکم اور تھے۔ ان میں تین "مُہریں" تھیں، اور چوتھا ہر مہینے میں سات روزے رکھنا تھا۔ ان مُہروں سے غالباً اس کا مطلب یہ تھا کہ منہ، ہاتھ اور سینے پر مہریں لگائے رکھو، یعنی ان کا بے جا استعمال نہ کرو۔ چنانچہ یہ لوگ زیادہ تر خاموش رہتے تھے، کوئی ناجائز کام نہیں کرتے تھے، اور اپنے دلوں کو بُرے خیالات، خواہشات اور شہوات سے خالی رکھتے تھے۔ مگر قیاس غالب یہ ہے کہ سینے کی مہر سے یہ مطلب تھا کہ اپنے بھیدوں کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دینا چاہیے۔ ابن الندیم نے جہاں مانی کی تعلیمات بتائی ہیں، وہاں اس کے یہ اصول بھی لکھے ہیں کہ :-

"کائنات کے دو عالم ہیں، ایک نُور دوسرا ظلمت۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ بڑی چیز نور ہے، اور وہی اَبدی خدا ہے۔ اس کے پانچ اعضاء یا کارکُن ہیں: حلم، علم، عقل، غیب اور فطنت۔ اسی طرح ظلمت کے بھی پانچ ہی کارکُن ہیں: کُہر (یعنی ہر وہ چیز جو نظر اور دنیا و مافیہا کے درمیان حائل ہو)، گرمی، لُو، زہر اور اندھیرا۔ عالم نور اور عالم ظلمت ایک دوسرے کے قریب ہیں، اور ان کے بیچ میں کوئی شَے حائل نہیں۔ پہلے تو یہ ایک دوسرے سے جُدا تھے، مگر اب دونوں مل جل گئے ہیں۔ تاریکی سے شیطان پیدا ہوئی[1] اور وہ ابدی ہے اور عجیب الخلقہ ہے۔ اس نے پیدا ہوتے ہی تمام نیکیوں کو کھا لیا۔ وہ نیچے آتی ہے تو تباہی اور خون ریزی اپنے ساتھ لاتی ہے، اور اوپر

---

[1] مانی کے عقیدے میں شیطان مؤنث ہے۔

جانا چاہتی ہی تو نور کی شعاعیں اُسے نہیں جانے دیتیں۔ روشنی نے تمام دنیا کو پیدا کیا۔ اس نے دس (یا آٹھ) آسمان بنائے، اتنی ہی زمینیں بنائیں، اور چاند سورج بنائے کہ تاریکی کو نکالے رکھیں۔

جو شخص مانی کے مذہب میں داخل ہونا چاہتا تھا، اس کے بارے میں پہلے یہ تحقیق کر لیا جاتا تھا کہ آیا وہ شہوات، حرص و ہوا، گوشت، شراب اور عورت کو چھوڑ سکے گا یا نہیں، اور کوئی ایسا کام تو نہ کرے گا کہ ہوا اور آگ کو ناپاک کر دے۔ جب ان باتوں کی طرف سے پورا اطمینان ہو جاتا تو وہ مانوی مذہب میں شامل کیا جاتا، ورنہ نہیں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہی کہ مانی نقاش کیوں مشہور ہوا۔ اس کی وجہ سوا اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ مانی اور اس کے مریدوں کی تصنیفات نہایت پاکیزہ خط میں لکھی گئی تھیں اور نقش و نگار اور تصاویر سے آراستہ ہوتی تھیں۔ چنانچہ اس کی تصدیق ان نوشتوں سے ہوتی ہی جو ترکستان میں ڈیڑھ ہزار برس کے عرصے سے بھی زیادہ کے بعد اب برآمد ہوئے ہیں[۱]۔

اسی مانی کے پیرووں کو مسلمان زندیق کہتے ہیں۔ مانوی کے اس مختصر احوال کے بعد سلسلۂ تاریخ پھر شروع کیا جاتا ہی۔ سنہ ۲۷۲ء میں شاپور کے مرنے کے بعد ایک قلیل زمانے میں تین بادشاہ ہوئے۔ پہلے شاپور کا بیٹا

ہرمزد اول

(۲۷۲ تا ۲۷۳ء)

سنہ ۲۷۲ء میں تخت نشین ہوا۔ یہ اپنے باپ کے زمانے میں خراسان کا حاکم تھا۔ اس نے

---

[۱] مانی اور اس کے مذہب کا یہ تمام بیان پروفیسر عبد الستار صدیقی صاحب کے ایک عالمانہ مضمون کا خلاصہ ہی، جو ڈھاکہ یونی ورسٹی جرنل بابت فروری سنہ ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا ہی۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ مجھے اس تلخیص کی اجازت دی۔

اپنے شہر دستگرد میں مانی کو پناہ دی تھی۔ اس نے صرف ایک سال حکمرانی کی۔
اس کے بعد اس کا بھائی

بہرام اول

(۲۷۳ تا ۲۷۶ ء)

سنہ ۲۷۳ء میں تخت پر آیا، اور سنہ ۲۷۶ تک تین برس حکومت کر سکا۔ ایران اور روم کے مابین ملکہ زنوبیہ کی ایک چھوٹی سی سلطنت بطور ایک ریاست حائلہ کے واقع تھی۔ رومی بادشاہ اوری لیان نے اس پر حملہ کیا۔ ملکہ زنوبیہ نے بہرام سے مدد مانگی۔ بہرام نے بجائے اس کے کہ وہ اپنا سارا زور صرف کر دیتا تھوڑی سی فوج ملکہ کی کمک کے لیے روانہ کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک تو زنوبیہ کی وہ ریاست حائلہ نابود ہو گئی، دوسرے یہ کہ رومی ناراض ہو گئے کہ بہرام نے اس کی اتنی بھی مدد کیوں کی۔ ناچار ان کی خوشامد کے لیے بہرام کو ایک سفارت روم بھیجنی پڑی۔ مگر اوری لیان کب باز آتا تھا۔ اُس نے سنہ ۲۷۵ میں ایران پر فوج کشی کر دی۔ بہرام، یا ایران، کی خوش بختی سے اوری لیان ایک سازش کا شکار ہو کر مارا گیا، ورنہ ایران کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ جس سال اوری لیان مارا گیا، اسی سال بہرام بھی چل بسا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا

بہرام دوم

(۲۷۶ تا ۲۹۳ ء)

بادشاہ ہوا۔ اس نے وہ ظلم شروع کیا کہ رعایا نے اس سے تنگ آ کر اس کے قتل کی سازش کی۔ مگر موبد اعظم کے سمجھانے سے اس نے اپنا رویہ بدل دیا۔ اس کے

زمانے میں رومی شہنشاہ کاروس نے ایران پر حملہ کیا اور تیسفون (مدائن) تک جا پہنچا اور اس پر قابض ہوگیا، مگر وہیں سنہ ۲۸۳ میں اچانک مرگیا۔ یوں ایران پھر ایک مرتبہ یورپ کے پنجے میں آنے سے بچ گیا۔ بہرام نے سترہ برس کی حکومت کے بعد سنہ ۲۹۳ میں انتقال کیا۔ اس کے بعد

بہرام سوم

(سنہ ۲۹۳ء)

نے تخت سنبھالا، مگر صرف چار مہینے ہی راج کرنے پایا تھا کہ مرگیا۔ وہ سگان شاہ کے لقب سے مشہور تھا، اور اس کا سبب یہ تھا کہ اس کے باپ ہرمزد اول نے اسے سگستان (یعنی سجستان) کا گورنر بنادیا تھا، جسے اس نے سگ (یعنی اشکانی) قوم سے فتح کیا تھا۔ چوں کہ اس نے اپنا وارث نہیں چھوڑا، اس لیے دو شاہزادوں، نرسی اور ہرمزد نے (جو شاپور اول کے بیٹے تھے) تخت کے لیے تقدیر آزمائی کی۔ نرسی کامیاب ہوا، اور ہرمزد غائب ہوگیا۔

نَرسی

(۲۹۳ تا ۳۰۳ء)

ایران کے دل میں ارمینیہ کا نکل جانا ایک خار کی طرح کھٹک رہا تھا۔ نرسی سنہ ۲۹۳ میں تخت نشین ہوا، اور تین برس کے بعد سنہ ۲۹۶ میں ارمینیہ پر حملہ کرکے وہاں کے بادشاہ گالیریوُس کو وہاں سے نکال کر انتقام لیا۔ اس نے وہاں سے بھاگ کر روم میں پناہ لی۔ جہاں شہنشاہ ڈیوکلی تیان کا اقبال شمس النہار پر تھا، اس نے فوراً نرسی پر فوج کشی کی۔ نرسی نے رومی فوج کو ایسی سخت شکست

دی کہ صرف چند آدمی مرنے سے بچے اور شاہ ارمینیا اور رومی سپاہ سالار بہ مشکل دریائے فرات میں تیر کر اپنی جان بچا سکے۔ مگر اگلے ہی برس، سنہ ۲۹۷ء میں قیصر روم نے ایک لشکر جرار اس شکست اور شرم کا بدلہ لینے کے لیے ایران بھیجا۔ ایرانی اور رومی فوج میں مقابلہ ہوا۔ ایرانی فوج تباہ ہوگئی، رومیوں نے نرسی کو گرفتار کرلیا اور اس کے خزانے کو بے دردی سے لوٹا۔ نرسی نے ناچار صلح کی درخواست کی، جو منظور نہیں ہوی۔ آخر اُس نے پانچ نہایت زرخیز اور فوجی ضروریات کے لیے اہم صوبے رومیوں کو دے کر اپنی اور اپنے ملک کی جان بچائی۔ تاہم کیفیت یہ تھی کہ جنوب میں تیسفون ہر وقت معرضِ خطر میں تھا، اور مشرق میں صوبۂ ماد ہر آن لرزہ براندام تھا۔ رومیوں نے ارمینیہ وغیرہ لینے پر بھی بس نہیں کیا۔ چند روز کے بعد پھر ایک ایسا طوفان مثال لشکر ایران پر بھیجا کہ اس سے پہلے کہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

آخر شکستہ دل نرسی نے اسی میں خیریت دیکھی کہ سنہ ۳۰۱ میں تخت و تاج کو خیرباد کہہ کر گوشہ نشین ہوگیا۔ یہی وہ وقت تھا جس کے متعلق مشہور انگریز مؤرخ گبن نے لکھا ہی کہ مغرور قیصر روم نے ایران کی نقل میں حکم دیا تھا کہ دربار شاہی میں جو کوئی آے وہ قیصر کو سجدہ کرے اور وہی تعظیم بجالاے جو سوا رب الافواج کے اور کسی کے لیے شایاں نہیں ہی۔

نرسی کے بعد اس کا بیٹا

ہرمزد دوم

(۳۰۲ تا ۳۰۹ ء)

تخت نشین ہوا۔ اس کا کوئی بڑا فوجی کارنامہ نہیں ہی۔ اسے عمارتیں بنانے کا بہت شوق تھا۔ مگر اس کی شہرت یہ ہی کہ اس نے ایک دارالعدل قائم کیا تھا، جہاں امیر

و نقیر بے تکلف پہنچ کر داد پاتا تھا۔ سنہ ۳۰۹ میں ؛ سے عربوں نے شکست دے کر قتل کر ڈالا۔ اس کا جانشین اس کا بڑا بیٹا

آذر نرسی

(۳۰۹ تا ۳۱۰ء)

تھا جو اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے سخت بدنام تھا، اور اسی سبب سے سنہ ۳۱۰ میں مارا گیا ہرمزد دوم کا دوسرا بیٹا ہرمزد تیرہ برس تک قید میں پڑے رہنے کے بعد بازنطین کو فرار کر گیا، اور بعد میں شہنشاہ جولیان کی فوج کے ہمراہ ایران آیا۔ ہرمزد دوم کے اور کوئی نجیب بیٹا نہ تھا۔ مگر اس کی ایک خواص اُس وقت حاملہ تھی۔ اس قیاس پر کہ اس کا نتیجہ ایک لڑکا ہوگا، ولادت سے پہلے ہی اسے بادشاہ تسلیم کر لیا گیا، اور ولادت تک ماں ہی سلطنت کے کاروبار کی کفالت کرتی رہی۔ یہ خوش نصیب بچہ ۳۱۰ میں پیدا ہوا، اور

شاپور دوم

(۳۱۰ تا ۳۷۹ء)

کے نام سے تقریباً ستر برس تک حکمران رہا۔ اس وقت ایران پر ہر طرف سے زغہ تھا۔ گو رومی خود اپنے ملک میں کچھ اس طرح مبتلا تھے کہ وہ ایران کو دق نہ کر سکے، مگر یہاں ایک طرف تو بحرین کے عربوں نے سر اٹھایا، دوسری جانب عراق عرب والے یک لخت اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے مدائن پر قبضہ کر لیا۔ جوان سال شاپور نے جب سولہ برس کی عمر میں عنان سلطنت ہاتھ میں لی، تو سب سے پہلے جہازوں کا ایک بیڑا تیار کیا، اور خود بہ نفس نفیس خلیج فارس میں ایک مہم لے کر پہنچا اور عربوں کو زیر کیا۔ اُس نے

عربوں کو سزا دینے کا یہ طریقہ ایجاد کیا تھا کہ وہ جس عرب کو پکڑتا تھا اس کے دونوں بازوؤں میں سوراخ کر کے رسّی سے کس کر بندھوا دیتا تھا۔ اسی لیے عرب اُسے "ذوالاکتاف" کہنے لگے۔ یہ سنہ ۳۳۷ تک کے واقعات ہیں۔ سنہ ۳۵۰ تک جو کچھ ہوا اس کی مجمل کیفیت یہ ہی:

شاپور کا چچا ہرمزد یونان میں نظربند تھا۔ سنہ ۳۲۳ میں موقع پاکر وہ روم کو بھاگ گیا، جہاں کے بادشاہ نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور اپنے نزدیک تخت ایران کا ایک دعوے دار اپنے تحت میں لے آیا۔ رومیوں کا دانت ایران پر تھا ہی، مگر کوئی موقع بھیڑ چھاڑ کا نہیں ملتا تھا۔ کونسٹن ٹین (قسطنطین) نیا نیا عیسائی ہوا تھا۔ اُس نے رومی سلطنت کا دین مسیحیت قرار دیا اور خود عیسائیوں کا محافظ اور حامی بن بیٹھا۔ اس وقت تک ایران میں بھی عیسائی دین پہنچ چکا تھا۔ ایران اور اُس کی سرحدوں پر رہنے والے عیسائیوں کی نظریں اب بجائے ایران کے روم پر لگی رہنے لگیں۔ چنانچہ قسطنطین نے شاپور کو لکھا کہ عیسائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ ادھر عیسائیوں نے ملک میں ہم ہچ مچا رکھی تھی۔ شاپور نے اُن پر دُگنے محاصل لگائے اور ایک اسقف کو محصّل مقرر کیا۔ اس نے اس فرض کے ادا کرنے سے انکار کیا تو اُسے قتل کر ڈالا گیا۔ جب عیسائیوں پر یوں سخت گیری ہونے لگی تو انھوں نے فساد برپا کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ اور مطلب صرف یہ تھا کہ کسی طرح رومی بادشاہ کو ایران پر چڑھائی کرنے کا ایک بہانہ مل جائے۔ اس کے علاوہ، قسطنطین نے اپنی رومی سلطنت کو اپنے تین بیٹوں میں تقسیم کر کے ایک کا دارالسلطنت قسطنطنیہ قرار دیا تھا، جو گویا بالکل ایران کے سر پر تھا۔ بیدار مغز شاپور اس کے معنی سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے موقعے کو مناسب سمجھ کر خود ہی رومیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ قسطنطنیہ کے (یعنی مشرقی) رومیوں کے ذرائع ایران کے مقابلے میں بہت کم تھے۔

حالت یہ تھی کہ ایشیا کی حدود میں رومی حکام اور فوجی رومیوں سے نالاں بلکہ باغی تھے ادھر ارمینیہ کا بادشاہ بھی نیا نیا عیسائی ہوا تھا۔ اس نے رعایا کو عیسائی بنانے میں بے جا سختی سے کام لیا تھا، اور رعایا اُس سے سخت تنگ تھی۔ بادشاہ کمزور تھا۔ شاپور نے سب سے پہلے تو یہ کیا کہ حملہ کر کے ارمینیہ پر قبضہ کر لیا؛ وہاں کے غیر عیسائی رعایا کو برانگیختہ کیا؛ اور عربوں کو اُن کے ساتھ ملا کر رومیوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار کر لیا:۔

آخر شاپور نے بطور آزمائش اپنے رسالے کو سرحد کے پار پہنچا دیا۔ قسطنطین مرچکا تھا۔ اس کا ناتجربہ کار بست سالہ جانشین، کونستانتیوس بھاگا ہوا آیا اور فوج کو تعداد میں کم اور باغیانہ خیالات کا پایا۔ شاپور اتنی چھیڑ چھاڑ کر کے واپس چلا آیا، اور فی الحال یہ رومیوں کے حق میں مبارک ہی ثابت ہوا:۔

اگلے سال شاپور نے نسی بیس کا محاصرہ کیا، جو رومیوں کی عراق عرب میں سب سے بڑی چھاؤنی تھا۔ مگر دو مہینے کے بعد اس کو ناکام واپس آنا پڑا۔ عیسائی کہتے ہیں سنت جیمس کی کرامات تھی کہ مکھیوں نے محاصرین کو اتنا تنگ کیا کہ اُن کو بھاگتے ہی بن پڑا اور محاذات پر لڑائی برابر جاری رہی، مگر شاپور کوئی مفید مقام نہ لے سکا۔ اُس نے سنہ ۳۴۱ء میں بادشاہ ارمینیہ سے ایک معاہدہ کر کے اپنے لیے اور آسانیاں پیدا کر لیں۔ نسی بیس پر دوسری دفعہ حملہ کیا، مگر پھر بھی ناکام ہی رہا۔

دو برس کے بعد شاپور نے بڑی فوج کے ساتھ عراق عرب پر حملہ کیا۔ اس میں پہلے تو رومیوں کو کامیابی ہوئی، آخر میں شاپور کی فوج نے رومیوں کا قتل عام کر دیا۔ یہ لڑائی اس لیے فیصلہ کُن نہ ہوئی کہ اس میں رومی بادشاہ نہ گرفتار ہوا نہ قتل۔

شاپور نے تیسری اور آخری مرتبہ پھر نسی بیس پر حملہ کیا، مگر پھر ناکام رہا۔ اس لڑائی میں بیس ہزار ایرانی میدان جنگ میں کھیت رہے۔ اسی دوران میں ہُون قوم نے ایران پر حملہ کیا اور شاپور کو اُن کی مدافعت میں کئی برس لگ گئے:۔

جغرافی اور دیگر حیثیتوں سے ارمینیا ایران کے زیر اثر رہا ہے۔ کچھ تو قدرتی طور پر یہ لوگ مُفسد ہیں، اس پر کچھ رفاقت اور ضروریات مُلکی کہ یہ ہمیشہ ایران ہی کو دق کرتے رہے۔ اگرچہ ایران سے بھی ان کا معاہدہ تھا، مگر وہاں دین عیسوی ابھی نیا ہی تھا۔ بادشاہ ارمینیا نے قسطنطنیہ کے رومیوں سے اپنے تعلقات بڑھانے کے لیے ایک رومی لڑکی سے شادی کی اور اُن سے ایک معاہدہ کر لیا۔

ارمینیوں کی یہ شرارت شاپور کو ناگوار ہوئی۔ اگرچہ رومی صلح و امن پر مائل تھے، مگر شاپور نے یوں چھیڑ چھاڑ شروع کی کہ اُن سے عراق عرب اور ارمینیا مانگا۔ نام تو عراق عرب کا تھا، مگر اس پر اپنی تمام قوتوں کو خرچ کر دینا صرف بے جا تھا۔ مقصود اصلی تو ملک شام تھا، جو مرفہ الحال مگر بالکل غیر محفوظ تھا۔ رومی تیار نہ تھے۔ شاپور فوج لے کر مغرب میں فرات کی طرف بڑھا اور چوں کہ وہ شام پر حملہ کرنے کی نیت سے نکلا تھا اس لیے اس نے رنسی بیس کو نہیں چھیڑا۔ فرات طغیانی میں تھا، اس لیے اُس نے شمال مشرق کی طرف مڑ کر دیار بکر کو محاصرے کے بعد لے لیا، اور شہر میں جتنے رومی ملے سب کو قتل کرا دیا یا گرفتار کر کے غلاموں کی طرح فروخت کر دیا۔ اس کے بعد موسم بہار میں اس نے سنجر بھی فتح کر لیا۔

اس دوران میں قسطنطنیہ کا رومی بادشاہ کونستانتیوس بے دست و پا بیٹھا ہوا تماشا دیکھا کیا، کیوں کہ اُسے خود ہی جولیان کی طرف سے حملے کا خوف تھا۔ مگر جب اس نے اپنے رعب کو معرض خطر میں دیکھا تو کچھ شر و فساد پھیلایا مگر ناکام رہا۔ آخر سنہ ۳۶۱ میں موت نے اُسے تمام افکار سے نجات دی، اور وہی جولیان اُس کا جانشین ہوا۔ جولیان نے پہلے تو قسطنطنیہ چھوڑ کر انطاکیہ کو عارضی دارالسلطنت بنایا اور وہاں بیٹھ کر ایران پر حملے کی تیاری کی۔ آخر ایک لاکھ فوج اور گیارہ سو جہازوں کا بیڑا لے کر نکلا۔ راستے میں اس نے فوج کے دو حصے کیے۔ ایک کی سپہ سالاری

اس نے اپنے ذمے لی اور دوسرے حصے کو بادشاہ ارمینیا کی سرکردگی میں دے کر حکم دیا کہ وہ ایران کو روندتا ہوا چلا جائے اور آخر مدائن میں اُس کی فوج سے آملے۔ شاہ ارمینیا نے تعمیل حکم کی، مگر تھوڑی ہی دُور گیا تھا کہ اپنی فوج کو لے کر اپنے وطن چل دیا اور جولیان دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ وہ ہمت نہ ہارا اور دجلہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ راستے میں جتنے بڑے بڑے مقامات پڑے اُن کو وہ فتح نہ کرسکا اور ایرانیوں نے اُسے اندرون ملک میں آنے دیا؛ یہاں تک کہ وہ فیروز شاپور پہنچ گیا؛ اور اس پر قبضہ کرلیا۔ ایرانی فوج دریاے دجلہ پر مقابلے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ جولیان نے شبخون مارا۔ ایرانیوں نے آگ سے اس کا جواب دیا۔ اس موقعے پر ایرانیوں کی فوج میں ہاتھی بھی تھے اور رومی ان سے بہت ڈرتے تھے۔ انجام یہ ہوا کہ جولیان کے بہت سے جہازوں میں آگ لگ گئی اور فوج کا مُنہ پھر گیا۔ مگر صبح کو جو رومیوں کا حملہ ہوا اُس کو ایرانی نہ سنبھال سکے اور بھاگے اور رومیوں نے مدائن کے دروازے تک اُن کا تعاقب کیا۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے سخت جانی و مالی نقصانات اٹھاے۔

قصّہ مختصر یہ کہ رومی فوج نے ایک شخص جووِیان کو جولیان کی جگہ بادشاہ بنایا۔ یہ بھی شرمندگی مٹانے کے لیے لڑا، مگر بے کار۔ رومیوں کی جو حالت ہونی چاہیے وہ ظاہر ہے۔ ایران کو گو فاتح کی حیثیت حاصل ہوگئی، مگر اس کا اتنا کثیر نقصان ہوا کہ سکت باقی نہ رہی۔ ایران ہی کی طرف سے صلح کی خواہش ظاہر کی گئی۔ آخر رومیوں نے وہ پانچوں صوبے اور نِسی بیس، جو نرسی کے زمانے میں نکل گئے تھے، واپس دے کر اپنا پیچھا چھڑایا۔ ارمینیا کے متعلق یہ قرار پایا کہ وہ رومی حلقۂ اثر میں نہیں رہے گا۔ مگر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ارمینیا اس کے بعد چین سے بیٹھ گیا۔ فساد ان کی طبیعت کا خمیر ہے، بغاوت کی اور سزا پائی۔ پھر ان کا بادشاہ رومیوں سے لڑ پڑا۔ اس میں ایران

کو بھی دخل دینا پڑا۔ آخر اُسے رومیوں نے دغا دے کر قتل کر دیا۔

دنیا میں کون رہ گیا ہے اور کون رہے گا۔ سنہ ۳۷۹ء میں ایران کے اس سپوت نے انتقال کیا۔ ملک نے اس کو "اعظم" کا خطاب بہت صحیح دیا تھا۔ رومیوں سے جس کامیابی سے وہ لڑا، آرمینیا کو جس خوبصورتی سے اس نے نیچا دکھایا، نسبی بین واپس لے کر ایشیا میں رومیوں کی جس طرح اُس نے کمر توڑی، ہُونوں سے جس طرح مقابلہ کیا، حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسا تھا کہ اگر ملک نے اُسے "اعظم" قرار دیا تو بےجا نہیں کیا۔

مختصر یہ کہ شاپور اعظم کو مدت العمر رومیوں سے جنگ و جدال میں مصروف رہنا پڑا، اور ارمینیا کے تخت و تاج کا جھگڑا برابر چلتا ہی رہا، یہاں تک کہ سنہ ۳۷۹ میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کی جانشینی کے لیے صرف ایک شخص نظر آتا تھا، جو اُس کا ستر برس کا بوڑھا سوتیلا بھائی اردشیر تھا۔ چنانچہ وہی

اردشیر دوم
(۳۷۹ تا ۳۸۳ء)

تھا، جس نے اپنے صوبے اَدیابین میں ایک زمانے میں عیسائیوں پر بہت مظالم کیے تھے۔ چوں کہ اُس نے بادشاہ ہو کر بہت سے محاصل معاف کر دیے، اس لیے رعایا میں ہر دل عزیز ہوگیا تھا۔ مگر وہ صرف چار برس حکومت کرنے پایا تھا کہ سنہ ۳۸۳ میں تخت سے اُتار دیا گیا اور شاپور دوم کا بیٹا

شاپور سوم
(۳۸۳ تا ۳۸۸ء)

کے نام سے تخت پر بٹھایا گیا۔ اس نے ایک برس کے اندر اندر رومیوں سے صُلح

کرلی، پھر عرب کے قبیلے ایاد بن نزار پر فوج کشی کی اور انھیں بے طرح قتل و غارت کیا۔ وہ سنہ ۳۸۸ میں فوج کی بغاوت فرو کرتے ہوئے مارا گیا۔

بہرام چہارم

(۳۸۸ تا ۳۹۹ ء)

شاپور سوم کے بعد اس کا بھائی بہرام چہارم کرمان شاہ کے لقب سے بادشاہ ہوا۔ اس کے اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک زمانے میں کرمان کے علاقے کا حاکم رہ چکا تھا۔ اس کے وقت میں تھیوڈوسیئوس نے ارمینیا کے معاملے کا یوں فیصلہ کیا کہ اس ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک کو قسطنطنیہ کے زیر اثر رکھا اور دوسرے کو مدائن کے۔ سنہ ۳۹۹ میں اس کے مرنے پر یزدگرد تخت نشین ہوا، جو شاپور دوم (یا سوم) کا بیٹا تھا۔

یزدگرد اوّل

(۳۹۹ تا ۴۲۰ ء)

یہ ایک صلح پسند آدمی تھا۔ کاش اس میں اس کے بزرگوں کی طرح جنگجوئی اور فوج کشی کا شوق ہوتا، کیوں کہ اس وقت ایسا موقع تھا کہ ایران کو وہ تمام مُلک مِل جاتے جن پر ہخامنشی خاندان قابض تھا۔ ایشیائے کوچک اور شام پر تو وہ بہ آسانی قبضہ کر سکتا تھا، کیوں کہ رومی اپنی مصیبتوں میں گرفتار تھے۔ اُن پر ہر طرف سے حملے پے در پے بغاوتیں، سازشیں ہو رہی تھیں، یہاں تک کہ شہر رُوم لوٹا گیا۔ شرقی روم سے تو اس کے تعلقات ایسے گہرے تھے کہ جب وہاں کا بادشاہ ارکادیوس مرنے لگا تو اُس نے اپنے بیٹے کو پرورش اور تربیت کے لیے یزدگرد کے سپرد کر دیا۔ اُس میں اور

ہزار عیوب ہوں مگر اس امانت میں اُس نے خیانت نہیں کی اور شاہزادے کو ایک بڑے لائق خواجہ سرا کو تربیت کے لیے سپرد کر دیا۔

یاد ہوگا کہ دُور اندیش و مصلحت بین شاپور نے عیسائیوں کی شرارتوں اور نمک حرامیوں کو دیکھ کر اُن کا ایران سے قلع و قمع کر دیا تھا۔ یزدگرد تخت پر بیٹھا تو اس کی افتاد طبیعت کو دیکھ کر عیسائیوں نے ریشہ دوانیاں شروع کیں اور اتنے کامیاب ہوے کہ اُن کو ایران میں آ بسنے اور گرجا بنا لینے کی اجازت مل گئی۔ شدہ شدہ عیسائیوں نے بادشاہ پر اتنا درخور حاصل کر لیا کہ وہ عیسائی ہونے پر تیار ہوگیا۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا۔ اُس نے ستم یہ کیا کہ مجوسیوں پر بڑے بڑے ظلم کیے۔ ملک نے اُسے 'بزہ گر' یعنی 'گناہ گار' کا خطاب دیا، جو تاریخ میں اُس کے نام کا جزو بنا ہوا ہے۔ عیسائی بھی چندروز کے بعد اپنی معمولی شرارت پر آ گئے۔ یہ دیکھ کر یزدگرد کو کچھ تنبہ ہوا اور اب اُس نے عیسائیوں پر ناگفتہ ظلم کیے۔ یہ بے رحمیاں پانچ برس متواتر جاری رہیں، اور عیسائیوں کی طرف سے بھی اُسے وہی گناہ گار کا خطاب ملا۔ غرض کہ یہ شخص سخت ناعاقبت اندیش تھا

شہر یزد اسی کا بسایا ہوا ہے۔

یزدگرد کے ایک گھوڑے نے لات ماردی، جس کے صدمے سے سنہ ۴۲۰ء میں وہ مرگیا۔ فردوسیؒ نے تو اس کی موت کا عجیب قصہ لکھا ہے، مگر یہاں اس سے قطع نظر کی جاتی ہے۔

یزدگرد مرا تو امراء سلطنت نے یہ چاہا کہ اُس کے دونوں بیٹوں، بہرام اور شاپور، کو تخت نہ ملے۔ بہرام کو اس لیے کہ اس نے بادیۂ عرب میں پرورش پائی ہے؛ اور شاپور کو اس لیے کہ وہ آرمینیا کا بادشاہ تھا، باپ کا تخت پانے کے لیے اپنی دارالسلطنت کو غیر محفوظ چھوڑ کر چلا آیا۔ مگر بہرام اول تو ایک بہادر آدمی تھا، دوسرے عرب بادشاہ نُعمان اُس کی مدد پر تھا، امرا کو اُس کا دعوےٰ ماننا پڑا۔ مگر دقت یہ تھی کہ امراء بہرام کے چچیرے بھائی خسرو کو

انتخاب کر چکے تھے۔ کہتے ہیں کہ بہرام نے یہ تدبیر تبلائی کہ دو بھوکے وحشی شیروں کے بیچ میں تاج رکھ دیا جائے، جو اُس کو اٹھا لائے، وہی بادشاہ ہو۔ خسرو نے تو انکار ہی کر دیا۔ بہرام کی جواں مردی اور ہمت کے سامنے یہ کوئی بڑی بات نہ تھی، وہ گیا، اور اٹھا لایا۔ اب اُمراء کو معلوم ہوا کہ بادیہ میں پرورش پانا کوئی عیب نہ تھا۔

غرض بہرام اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ یہ بہرام پنجم تھا۔

بہرام پنجم، معروف بہ بہرام گور

(۴۲۰ تا ۴۳۸ ء)

کہا جاتا ہے کہ اس بادشاہ کو گورخر سے اس لیے نسبت دی گئی تھی کہ ایک مرتبہ اُس نے شکار میں نہایت بہادری سے اپنے نیزے کی سخت جھونک سے بہ یک وقت عین جب کہ ایک شیر گورخر کو مار رہا تھا، دونوں کو مار ڈالا۔ یا شاید اس سبب سے ہو کہ اس میں گورخر کی سی تیزی اور طاقت تھی۔ اس کے باپ یزدگرد اول نے عیسائیوں پر جو ظلم و ستم روا رکھا تھا، اسے اس نے بھی جاری رکھا۔ جب عیسائیوں کے لیے یہ ظلم ناقابل برداشت ہو گیا تو ان کی ایک بڑی تعداد رومی علاقے میں چلی گئی۔ بہرام نے اپنی رعایا کو واپس بلانا چاہا، تو رومی مانع آئے۔ اس پر بہرام نے ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ایرانی سپاہ نے جس کا سالار شاہی نسل کا ایک فرد مہر نرسہ نام تھا، شکست کھائی۔ آخر کار سنہ ۴۲۱ میں کئی شکستیں کھانے کے بعد بہرام نے صلح کی درخواست کی۔ رومی فوج میں کچھ فوج ایسے لوگوں کی تھی جو اپنے آپ کو "مخلدون" (یعنی امر، کبھی نہ مرنے والے)[۱] کہتے تھے۔ وہ نہیں مانے اور کہا کہ ہمارے حوصلے ابھی نہیں نکلے ہیں، ہم ابھی لڑیں گے۔ بہرام بھی لڑنے پر مجبور ہو گیا۔

---

[۱] جس طرح پنجاب کے سکھوں کا ایک فرقہ اپنے آپ کو اکالی کہتا ہے۔

جنگ ہوئی، جس میں مخلدون کا ایک ایک فرد تہ تیغ ہوا۔ آخر کار سنہ ۴۲۲ میں ان شرائط پر صلح ہوئی کہ عیسائیوں کو رومی ملک میں پناہ لینے کی اجازت دی جائے۔ اسی طرح زرتشتیوں کو بھی رومی ممالک میں بہ آسائش بودوباش کرنے کی اجازت مل گئی۔

اس موقع پر ایک پادری نے یہ انسانیت کی کہ اُس نے گرجاؤں سے سونا چاندی لے کر سات ہزار ایرانیوں کا زرِ فدیہ ادا کر کے ان کو بہرام کے پاس بھیج دیا۔ اس کا بہرام پر بہت بڑا اثر پڑا۔

سنہ ۴۲۴ میں مشرقی کلیسا بالکل جدا قائم کر دیا گیا۔ اس کا بھی یہ اثر پڑا کہ اس کلیسا کی کوشش سے عیسائیوں کی شرارتیں بند ہو گئیں اور وہ پھر نہیں ستائے گئے۔

سنہ ۴۲۰ میں ارمینیا والوں کی درخواست پر بہرام نے اپنا گورنر بھیج کر اُن کو ایران میں شامل کر لیا۔ عیسائیوں کے بطریق 'موسئے' نے زمین آسمان ایک کر دیا کہ وہ ملک جہاں عیسائی بکثرت آباد تھے زرتشتیوں کی حکومت میں شامل نہ کیا جائے، مگر بہرام کے سامنے اُس کی فتنہ سازی چلنے نہ پائی۔

بہرام اس طرف سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اُسے افتالی' یعنی سفید ہُون' قوم کا سامنا کرنا پڑا، جنھوں نے باختر کے علاقے پر یورشیں شروع کر رکھی تھیں۔ یاد ہوگا کہ یہ قوم پہلے بھی ایران پر حملہ آور ہو چکی تھی۔ اب جن لوگوں نے حملہ کیا یہ انھیں ہُون کی اولاد تھے۔ ایران میں یہ لوگ سفید ہُون کہلاتے تھے۔ جب سنہ ۴۲۵ میں ان لوگوں نے جیحون فتح کر کے ایران میں قدم رکھا، تو سارے ملک میں ایک تہلکہ پیدا ہو گیا۔

بہرام نے عجیب حرکت کی۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ ڈر گیا ہے؛ اس نے فوراً شکار کا ارادہ کر دیا۔ امراء و رعایا نے ہزار خوشامدیں کیں کہ اس وقت بادشاہ کو اپنی فوج لے کر دشمنوں کے مقابلے کے لیے جانا چاہیے نہ کہ شکار کے واسطے؛ مگر بہرام نے ایک نہ سنی۔ یہاں سے نکل کر اُس نے تن تنہا ایک بہت بڑی فوج جمع کی اور ہُون کو بے خبری

میں جالیا، ان کو شکست دی، اُن کے خان اور اُس کی بیوی کو گرفتار کیا، اور بہت سا مال غنیمت لے کر منظفر و منصور واپس آگیا۔ بہرام کی زندگی تک ملک میں اُن کی طرف سے بالکل اطمینان رہا؛ مگر اُس کے بعد یہ لوگ برابر ایران پر حملے کرتے رہے۔

بہرام ایک مرتبہ، بہ تبدیل لباس، ہندستان بھی آیا تھا۔ ایک راجا کی اُس نے مدد بھی کی تھی؛ جس کے معاوضے میں اُس راجا نے بہرام کو سندھ اور مکران دے دیا۔

بہرام نے سنہ ۴۳۸ میں قضا کی۔ اس نے ایران کو اپنی طویل مدت حکومت میں، باوجود مختلف افکار کے، بہت عروج دیا۔ اس نے رومیوں سے شکست کھانے پر بھی بڑی عزت کے ساتھ ایسی صلح کی جس سے ایران کو نقصان نہیں پہنچا۔ اُس نے ہُونوں کا بڑی قابلیت سے مقابلہ کیا۔ عدل و انصاف میں اس نے کبھی کسی کی رورعایت نہیں کی۔ اس نے زراعت اور علوم و فنون کو ترقی دی۔ باوجود اس کے کہ اُسے شکار سے شغف تھا، اُس نے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کبھی غفلت نہیں کی۔ اس نے ایران کو انتہائے ترقی پر چھوڑا اور اس کے رعب و جلال میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔

بہرام گور کا جانشین اس کا بیٹا یزدگرد تھا۔

یزدگرد دوم

(۴۳۸ تا ۴۵۷ ع)

اس نے تخت پر آتے ہی چاہا تھا کہ پھر رومیوں سے لڑائی مول لے۔ مگر افسالی برابر باختر پر حملے کر رہے تھے۔ ناچار اسے پہلے انھیں کو زیر کرنا پڑا۔ یہ سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔

ایک مدت سے موبدوں کا یہ تقاضا تھا کہ کسی طرح ارمینیا کو ازسرِ نو زرتشتی کر لیا جائے

سلطنت کی پالیسی بھی اسی کی متقاضی تھی؛ کیوں کہ وہاں کے عیسائی رُوم ہی کو اپنا مددگار سمجھتے تھے، اور ہر بات میں ان ہی سے متوقع رہتے تھے۔ آخر یہ طے ہوا کہ اُن کو بہ نرمی و ملایمت پھر دینِ بہی کی طرف مائل کیا جائے۔ جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو سختی سے کام لینا پڑا۔ یزدگرد کے وزیر بہرام نَرسہ نے ایک اعلان نامہ لکھا جس میں اس نے عیسائی مذہب اور قوم کے خلاف بہت کچھ زہر اُگلا۔ زرتشتی دین کی کامیابی اور اشاعت کے لیے اور بھی ترکیبیں کی گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل ارمینیا شمشیر بکف ہوگئے۔ یزدگرد کو اسی زمانے میں کُشان قوم سے شکست کھانی پڑی تھی۔ تاہم وہ فوراً ارمینیا واپس آیا، اور باغیوں کو آودیر کے مقام پر ایک خونیں جنگ میں سخت شکست دی۔ یہ سنہ ۴۵۱ کا واقعہ ہی۔ باغیوں کا سرغنہ' وَردان مامی کونی' میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ بطریق یوسف اور دس اور پادری گرفتار ہوے اور تین برس کے بعد قتل کر دیے گئے۔ بہر حال جلد ہی امن امان قائم ہوگیا، اور یہ معلوم ہوگیا کہ عوام الناس میں کسی قسم کا دینی جوش نہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ یہ بھی ہوا کہ بغیر کسی مزاحمت کے بہت سے آتش کدے ارمینیا میں قائم ہو گئے۔

ہرمزد سوم

(۴۵۷ تا ۴۵۹ ع)

یزدگرد دوم کے بعد اُس کا ایک بیٹا ہرمزد سوم ہو کر تخت نشین ہوا۔ مگر اس کے چھوٹے بھائی پیروز (فیروز) نے تخت کا دعویٰ کیا اور اُسے چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ پیروز نے یہاں تک کیا کہ افسالیوں سے ہرمزد کے خلاف مدد مانگی' اور اس کے عوض میں باختر کے دو شہر' طالقان اور ترمذ' ان کے حوالے کر دیے۔ جب تک یہ دونوں بھائی بر سرِ جنگ رہے ان کی ماں' دِینگ' مدائن میں حکومت کرتی رہی۔ آخر فیروز نے

سنہ ۴۵۹ میں اپنے بھائی کو شکست دے کر قتل کر دیا، اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔

فیروز

(۴۵۹ تا ۴۸۴ء)

اس بادشاہ نے پچیس سال حکومت کی۔ گو اس کا عہد خوش نظمی اور خوش اسلوبی میں یادگار ہی، تاہم اسے بدنصیب ہی کہنا چاہیے۔ چوں کہ وہ افسانی قوم ہی کی مدد سے بادشاہ ہوا تھا، وہ لوگ برابر ایران پر نگاہ جمائے ہوئے تھے۔ یہ صحیح ہی کہ اُن کے سبب سے رومیوں کو بھی ایران میں فروغ پانا نصیب نہیں ہوا، مگر ایران کو بھی تو اَمن چین سے بیٹھنا نہیں ملا۔ ان وحشی اور جنگجو قبیلوں کے سردار' خوش نواز' کی سرکوبی کے لیے دو مہمیں بھیجی گئیں، مگر ایک بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ پہلی مہم میں دشمن کے ایک جاسوس کی کارستانی سے تمام فوج صحراء میں پہنچ کے گمراہ ہو کر تباہ ہو گئی؛ دوسری میں فیروز خود مارا گیا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی سلطنت نے دو برس تک ان سفید وحشیوں کو خراج ادا کیا۔

فیروز کے زمانے میں کئی برس تک جیحون سے دجلہ تک کے کل علاقے میں سخت قحط رہا۔ اس نے بڑی خوش اسلوبی سے دوسرے صوبوں اور ملکوں سے مایحتاج منگا نے کا بہترین انتظام کیا، ٹیکس کم کر دیے، اور دولت مندوں کو مجبور کیا کہ وہ مفلسوں کو بھی اپنے مال میں شریک رکھیں۔ آخر جب پانی برسا اور وہ قحط ختم ہوا' تو اُس نے اس برسات کی یادگار میں جشن آب ریزگان قائم کیا۔ باوجود اس کے وہ عمر بھر آلام و افکار میں مبتلا رہا، اُس نے کئی شہر بنائے اور بسائے۔ جب ایدیسہ میں عیسائیوں کے ایک قبیلے نے نسطوری عیسائیوں پر دست درازی کر کے انھیں ملک بدر کر دیا' تو فیروز نے نسطوریوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے اور آباد ہو جانے کی اجازت دی۔

فیروز کی موت پر سپہ سالار زرمہر نے جنگ ارمینیا سے واپس آکر فیروز کے بھائی بلاشؔ (یا وُلگش) کو بادشاہ بنادیا۔

بلاش

(۴۸۴ تا ۴۸۸ ء)

بلاش کو شروع ہی میں اپنے بھائی زَرَہ کے دعوے کا مقابلہ کرنا پڑا، مگر وہ فتنہ جلد ہی ختم ہوگیا۔ افتالیوں کے تقاضے برابر بڑھتے جارہے تھے اور وہ روز بروز زیادہ زیادہ خراج طلب کر رہے تھے۔ سپہ سالار زرمہر نے ایک فوج جمع کر کے خوش نواز پر چڑھائی کی، اور اس سے اس شرط پر صلح کی کہ خراج طلب نہ کیا جائے اور تمام ایرانی قیدی واپس کیے جائیں۔ ان قیدیوں میں فیروز کا ایک بیٹا کواذ (قباد) بھی تھا، جو یرغمال کے طور پر خوش نواز کے پاس مقید تھا۔

اب زرمہر اس قدر طاقتور ہوگیا تھا کہ بلاش کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ آخر اس نے سنہ ۴۸۸ میں بلاش کو تخت سے اتار کر کواذ کو تخت نشین کیا، اور اُس نے تینتالیس برس حکومت کی۔

کواذ (قباد)

(۴۸۸ تا ۵۳۱ ء)

کواذ کے زمانے کا بڑا واقعہ مَزدَک کا دعوائے پیغمبری تھا۔ اگر اُسے پیغمبری کا درجہ

لہ پروفیسر کلماں توئیا نے بلاش کی دوسری صورت وُلوگیس بتائی ہے۔ مگر حقیقت میں وہ یونانی تلفظ ہے اور صحیح ایرانی صورت وَلگش ہے۔

نہ دیا جائے تب بھی وہ ایک عجیب و غریب مذہب کا بانی ضرور تھا، جس کا اصول یہ تھا کہ۔ باوجود نہایت صاف و واضح قوانین قدرت کے، ایک اس نوع کی معاشری مساوات پیدا کی جائے جس میں سب مخلوق ایک ہی سطحِ زندگی پر آجائے۔ قبل اِس کے کہ آگے بڑھیں مناسب ہوگا کہ مزدک اور اس کے عقائد کا مختصر حال بیان کر دیا جائے۔

مزدک

یہ شخص پرسی پولس "یعنی تخت جمشید" کا باشندہ تھا؛ گو مؤرخ طبری نے اسے نیشاپور کا باشندہ بتایا ہی۔ وہ مانی کے تین سو برس کے بعد مانی کے مذہب کا مؤید ہوکر اٹھا۔ اس کا مذہب تمدنی اور دینی تھا۔

اُس کی تمدنی صورت تو یہ تھی کہ وہ گویا موجودہ زمانے کا "اشتراکی" تھا۔ اُس کی تعلیم تھی کہ جنگ وجدل کا اصلی سبب مال اور عورت ہی؛ اس لیے مال کو کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں قرار دینا چاہیے۔ جس طرح پانی اور ہوا میں سب شریک ہیں اُسی طرح مال میں بھی سب برابر کے شریک ہیں۔ اسی طرح عورت کسی خاص آدمی کی ملک نہیں۔ کیسا ظلم ہی کہ ایک شخص کی عورت خوب صورت ہی اور دوسرے کی بدصورت۔ شرط دین داری یہ ہی کہ یہ دونوں عورتوں کو بدلتے رہیں، تاکہ مساوات رہے۔ کیسا اندھیر ہی کہ ایک آدمی کے پاس بہت سامان و متال ہی اور وہ عیش کرتا ہی؛ دوسرا مفلس قلاش ہی اور فاقے کرتا ہی۔ شرط دین داری یہ ہی کہ متمول آدمی اپنے مال کو غربا میں تقسیم کر دے تاکہ سب مساوی ہوجائیں۔ جو شخص اس پر راضی نہ ہو وہ اہرمنی ہی۔

دینی صورت یہ تھی کہ دنیا کی پیدائش سے پہلے دنیا کے دو صانع تھے؛ صانع خیر یزدان ہی جو نور ہی نور ہی۔ صانع شر اہرمن ہی اور وہ ظلمت ہی ظلمت ہی۔ یزدان کا فعل نیکی ہی اور اہرمن کا بدی۔ عقول و نفوس، سماوات و کواکب سب یزدان کے پیدا

کیے ہوئے ہیں، ان میں اہرمن کا کوئی دخل نہیں۔ آگ میں جلانے کی قوت، زہر دل میں مار ڈالنے کی خاصیت، شیر، چیتے، سانپ وغیرہ سب اہرمن نے پیدا کیے ہیں۔ آسمان چوں کہ علوی ہی، اُس کے اوپر اہرمن کا کوئی دخل نہیں۔ اس لیے وہ بہشت کہلاتا ہی۔ دنیا چوں کہ سفلی ہی اس لیے اہرمن کی بھی اُس میں دست رس ہی، اس لیے اُس میں ضدیت ہی۔ یہاں کی کوئی چیز پائدار نہیں؛ مثلاً یزدان زندگی دیتا ہی، اہرمن مار ڈالتا ہی۔ یزدان نے صحت پیدا کی، اہرمن نے رنج و بیماری وغیرہ۔ عاقل کا یہ کام ہی کہ وہ یزدانی احکام پر چلے، تاکہ بہشت میں جائے۔ وہاں اہرمن نہیں پہنچ سکتا۔ اگر اہرمن کی پیروی کرے گا تو دوزخ میں جائے گا۔

آدمی کو چاہیے کہ خوشنودیٔ یزدان کے لیے تقویٰ و طہارت و زہد اختیار کرے؛ ہر طرح کی شہوات و خواہشات و لذات کو چھوڑ دے؛ جانداروں کو نہ ستائے اور گوشت نہ کھائے۔ آگ، پانی اور مٹی کو گندہ نہ کرے۔

مزدک کی ان اشتراکی اور از روٴے دین زرتشتی بدعتی تعلیمات کو ایک طرف تو بڑی کامیابی ہوی؛ ہزاروں آدمی، حتیٰ کہ خود قباد بھی، اس کے پیرو ہو گئے؛ دوسری طرف انھوں نے ملک میں ایک آفت برپا کر دی۔ نوشیروان ابھی ولی عہد ہی تھا، اس نے جو یہ صورت دیکھی اور ان تعلیمات پر غور کیا تو اُس نے مزدک کو، مع اُس کے اکثر پیرووں کے سنہ ۲۹-۵۲۸ء میں قتل کرا دیا۔ جب وہ (سنہ ۵۳۱ء میں) تخت پر بیٹھا تو اپنے نزدیک مابقی کو بھی قتل کر دیا۔ مگر حقیقت یہ ہی کہ اس کا مذہب مدتوں باقی رہا۔ چنانچہ صاحب دبستان مذاہب چند مزدکیوں کے نام لکھتے ہیں جو اُن کے زمانے میں ہندوستان میں موجود تھے، اور خفیہ طور پر اُس مذہب کے پیرو تھے۔ انھوں نے اپنے نام مسلمانوں جیسے بنا رکھے تھے۔

اسی سلسلے میں یہ بیان کر دینا بے موقع نہ ہوگا کہ صرف مانی اور مزدک ہی ایسے

آدمی نہ تھے کہ جنھوں نے دین زرتشتی میں بعض بدعتیں پیدا کیں، بلکہ اس میں اور بھی مذاہب، یا فرقے پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ گاتھا میں بعض اور بدعتیوں کا ذکر آیا ہی؛ مثلاً گرہما وغیرہ۔ ارمینیا کے بطریق 'موسے' (پانچویں صدی مسیحی) نے کئی اور فرقوں کا نام لکھا ہی، جو ثنویت اور اہرمن کے متعلق اصل دین زرتشتی کے مقابلے میں اور ہی خیالات رکھتے تھے۔ شہرستانی 'صاحب ملل و النحل' نے ایک اور شخص زردان کا نام لکھا ہی، جو یزدان اور اہرمن کے متعلق وہ مذہب نہیں رکھتا تھا جو حضرت زرتشت علیہ السلام کے دین کی تعلیم تھی۔ اگرچہ ان سب نے اپنے اپنے مذاہب کی بنیاد اُسی دین پر رکھی تھی، اور ان سب کو اپنی اپنی جگہ کامیابی ہوی تھی، یہ باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ دین میں بھی گھن لگ چکا تھا، اور اس میں آثارِ کہنگی پیدا ہو گئے تھے۔ اب خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ دین بہت ہی قدیم تھا، یا یہ ہو کہ زمانۂ مابعد میں لائق علمائ و مجتہدین پیدا نہیں ہوے، یا یہ کہ زمانہ بہت آگے بڑھ گیا تھا، اور نئی نئی باتیں معلوم ہوی تھیں اور حقائق سامنے آ گئے تھے، جنھوں نے سنئے خیالات پیدا کر دیے۔ یہ انحطاط اس بات کی خبر دے رہا تھا کہ اس قدیم ملکی و قومی دین کا خاتمہ قریب ہی۔ آخر ایک نیا دین (اسلام) آ پہنچا۔ گو "دین بہ" کے علماء نے اس کی بہ حیثیت ایک بدعت کے مخالفت کی، مگر عام طبائع اس طرف مائل تھیں۔ انھوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اپنی اُس روشنی کو، جو پہلے ہی سے دھندلی ہو چکی تھی، اس کے عالم گیر نور میں گم کر دیا۔

اس معترضہ کے بعد پھر تاریخ کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہی۔

کواذ نے یہ محسوس کر کے کہ مزدک کی تعلیمات میں وہ حربے موجود ہیں جن کے ذریعے امراء کی طاقت اور شان کو توڑا جا سکتا ہی، ان تعلیمات کی ہمت افزائی کی۔ امراء نے اپنی حفاظت کا سامان یوں کیا کہ سنہ ۴۹۷ میں کواذ کو قید کر کے اس کی جگہ

اس اثنا میں مزدکیوں نے سازش کر کے کَواذ کو تخت سے اتارنا چاہا۔ مگر اس نے سخت بدلہ لیا، اور ان کا قتل عام کرا دیا۔ ارمینیا اور گرجستان میں امن تھا۔ کواذ نے بیٹھے بٹھائے وہاں کے باشندوں کو عیسائیت سے برگشتہ کر کے زرتشتی بنانا چاہا۔ وہاں کے حاکم نے بغاوت کر دی اور رومیوں سے مدد مانگی۔ رومیوں نے وعدہ ضرور کر لیا، مگر کوئی امداد نہیں کی۔ حاکم موصوف کو ناچار بھاگنا پڑا، اور ایران کامیاب رہا۔

ادھر تو کواذ گرجستان کے مخمصے میں پڑا تھا، ادھر رومی خاموشی کے ساتھ ایران کی حدبست کو توڑ رہے تھے۔ ایرانیوں کو بھی یہ ناگوار ہوا کہ انھوں نے اتنے قلعے کیوں بنا لیے۔ آخر سنہ ۵۲۷ میں دارا کے قلعے کو شکایت کا بہانہ بنا کر کواذ نے جنگ چھیڑ دی۔ وہ شہنشاہ یُوستی نیان کی حکومت کا پہلا ہی سال تھا۔ رومیوں نے ایرانی ارمینیا پر حملہ کر دیا، مگر شکست کھائی اور عراق عرب میں ان کی ریشہ دوانیاں بیکار ثابت ہوئیں۔ ایرانیوں نے دارا پر حملہ کیا۔ پہلے تو رومیوں کو نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا، مگر بعد میں کامیابی ہوئی۔ ان لڑائیوں میں، دونوں فریقوں کا سخت نقصان ہوا، مگر رومیوں کا کم اور ایرانیوں کا زیادہ۔ تاہم یہ ثابت ہو گیا کہ رومیوں کی فوج بہت ہی کمزور ہے اور ایرانیوں کی بدرجہا بہتر۔

سنہ ۵۲۹ میں حیرہ کے عرب بادشاہ، مُنذِر بن ماء السماء نے ملک شام پر حملہ کیا اور انطاکیہ تک کے تمام علاقے کو روند ڈالا۔ اسی مہم میں اس نے چار سو مسیحیوں کو اپنے عزّیٰ کے بت پر قربان کر ڈالا۔ اس سے مسیحی دنیا میں ایک آفت برپا ہو گئی۔ مگر عیسائیوں میں اتنی تاب نہ تھی کہ منذر کا مقابلہ کرتے۔ سنہ ۵۳۱ میں رومیوں اور ایرانیوں نے باہم متحد ہو کر منذر سے شام خالی کرانا چاہا۔ ایرانیوں نے تو اس مہم میں شروع ہی سے سستی دکھائی اور کچھ نہ کر سکے، اور رومیوں نے

بھی بے طرح نقصان اٹھایا، مگر بچی کھچی فوج کو واپس لے جانے میں ضرور کامیاب ہوے۔

اس اثناء میں کواذ نے سنہ ۵۳۱ ہی میں بیاسی سال کی عمر میں انتقال کیا، اور ایرانی فوج بھی شام سے واپس آگئی۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ وہ بھی ایران کے بڑے بادشاہوں کی صف میں بیٹھنے کے قابل ہی۔ اس نے اپنے پیش رو بادشاہوں کے بنائے ہوے بہت سے شہر دوبارہ آباد کیے، جن میں سے گاذرون اور گنجہ اب تک موجود ہیں۔ سفید ہُنوں کی تباہی اس کا اتنا بڑا کارنامہ ہی کہ بڑے بڑے ایرانی معرکوں کے مقابلے میں اس کا ذکر ہوسکتا ہی۔ وہ رومیوں سے دس برس لڑا اور انھوں نے اس کا لوہا مان لیا۔ ایران کو اس نے فی الجملہ ایسی حالت میں چھوڑا کہ اس کا رعب ہر طرف طاری تھا۔

خسرو اول (نوشیروان دادگر)

(۵۳۱ تا ۵۷۹ ء)

خسرو جو سنہ ۵۱۳ ہی میں اپنے باپ کواذ کا جانشین نامزد ہوچکا تھا، اب تخت نشین ہوا۔ وہ اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے مشہور اور نیک نام ہوا اور اب تک فارسی، عربی، ترکی ادبیات میں معروف ہی۔ اس کی رعایا نے اسے انُوشک روان (نوشیروان) اور دادگر (عادل) کے خطاب دیے۔ اس میں مطلق شبہہ نہیں کہ وہ ان خطابوں کا بدرجۂ اولیٰ مستحق تھا، اور وہ اپنے خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ اور تاجدار تھا۔

کواذ کے مرنے پر اس کے بڑے بیٹے کاؤس نے تخت پر قبضہ کرلیا۔ مگر موبد اور وزیر اعظم نے خسرو کے حق میں کواذ کا وصیت نامہ دکھا کر اسی کو تخت پر بٹھادیا۔ ایک اور

فرلق اس کے بھائی زام کا طرفدار تھا۔ مگر چوں کہ وہ یک چشم ہونے کے سبب سے بادشاہ نہ ہو سکتا تھا' اس لیے انھوں نے اُس کے بیٹے کواذ کو تخت نشین کرنا چاہا۔ جب اس سازش کا خسرو کو علم ہوا' تو اُس نے اپنے سب بھائیوں اور ان کی اولاد زینہ کو بے رحمی کے ساتھ قتل کرا دیا' گو زام کا بیٹا کواذ اپنی جان سلامت لے نکلا۔ جب گھر کی طرف سے فراغت ہوی تو خسرو نے مزدک کو' مع اس کے تقریباً ایک لاکھ مریدوں کے مروا ڈالا، اور یُوں اس تمام فتنے کا یکبارگی خاتمہ ہوگیا۔

خسرو نے سنہ ۵۳۲ میں رومیوں سے صلح کرلی۔ صلح کی شرائط یہ تھیں:

۱۔ روم ہر سال ایک سو چالیس من سونا ایران کو ادا کیا کرے گا' اور ایران دربند اور دوسرے قلعوں میں حفاظت کے لیے فوج رکھے گا۔

۲۔ رومی قلعہ دارا کو اپنے پاس رکھیں گے' مگر عراق عرب کے لیے اس کو چھاؤنی نہ بنا سکیں گے۔

۳ لازیکا واپس کر دیا جائے گا۔

۴۔ روم اور ایران ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے حلیف رہیں گے۔

عدل و انصاف کے علاوہ خسرو نوشیروان کی شہرت فن سپہ گری اور فوج کشی کی قابلیت کے سبب سے بھی ہی۔ تعجب ہوگا کہ وہ رومیوں سے صلح کرنے پر کیوں آمادہ ہوگیا۔ اصل یہ ہی کہ اُسے اس وقت تک اپنے گھر کی طرف سے اطمینان نہیں ہوا تھا۔ ادھر رومیوں نے بھی اس وجہ سے دب کر صلح کرلی کہ وہ اٹلی اور افریقہ میں اپنے مقبوضات بڑھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس "دوامی صلح" کے چھ برس کے اندر اندر رومیوں کو ان ممالک میں اتنی کامیابیاں ہوئیں کہ خسرو کو اندیشہ سا پیدا ہوگیا۔ اُس کے اٹلی اور آرمینیا کے سفیروں نے بھی آکر یہ مشورہ دیا کہ قبل اس کے کہ رومی سپہ سالار اپنی لڑائیوں سے فارغ ہو روم پر حملہ کر دینا چاہیے' ورنہ خیر نہیں ہی۔ خسرو کچھ ایسا گھبرایا کہ اُس نے "دوامی صلح"

کو توڑ کر رومیوں کے مقبوضات پر حملہ کر دیا۔

نوشیروان نے سیدھا ملک شام کا رخ کیا۔ راستے میں جو پہلا شہر پڑا اس کو محض رُعب جمانے کے لیے اس طرح لوٹا کھسوٹا کہ نہ ایک آدمی چھوڑا' نہ پھوٹی کوڑی۔ اسی صورت سے وہ انطاکیہ پہنچ گیا' جو شام کا صدر مقام تھا۔ یہاں ایک گھر کا بھی نام و نشان نہ چھوڑا۔

رومیوں کو اس آفت ناگہانی کا گمان بھی نہ تھا۔ وہ اطمینان کے ساتھ افریقہ اور اٹلی کی فکروں میں مبتلا تھے۔ آخر انھوں نے ان شرائط پر صلح کی کہ ایران کو ترلیسٹھ من سونا بطور تاوان جنگ کے دیں گے' اور چھ من سونا دربند اور دیگر قلعوں کی فوج کا خرچ سالانہ دیں گے۔ ابھی اس صلح نامے پر فریقین کے دستخط نہ ہونے پائے تھے کہ نوشیروان واپس ہوا۔ راستے میں جتنے شہر ملتے گئے سب سے بیش قرار نذرانہ لیتا رہا۔ اس اثنا میں رومیوں نے اٹلی میں بہت کچھ کامیابی حاصل کر لی تھی۔ وہ بہانہ ہی ڈھونڈھتے تھے' انھوں نے اس کو صلح کی خلاف ورزی قرار دے کر اس کو کالعدم کر دیا۔ اتنا غنیمت ہوا کہ اُدھر سے لڑائی شروع نہیں کر دی گئی' ورنہ نوشیرواں پر بُری بنتی۔

اُوپر بتلایا جا چکا ہے کہ از رُوئے عہد نامہ لازیکا رومیوں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ رومیوں نے شروع شروع میں وہاں کے حکم ران سے نہ خراج مانگا' نہ اپنی فوج وہاں رکھنی چاہی' صرف شہر پترا (رقیم) اپنے قبضے میں رکھا۔ بعد میں ان دونوں کا بھی مطالبہ کیا' اور وہاں کی تجارت تمام و کمال اپنے ہاتھ میں لے لی۔ وہاں کے حکم ران نے اس میں اپنا سراسر نقصان دیکھ کر ایران سے مدد مانگی۔ خسرو نے یہ سوچا کہ وہاں سے کچھ وصول تو نہ ہوگا' بلکہ خود دینا پڑے گا' مگر بحرِ اسود اپنے قبضے میں آ جائے گا' خاموشی کے ساتھ پترا پر قبضہ کر لیا؛ اور لازیکا کو ایران کے ساتھ ضم کر لیا۔ وہاں کے حکم ران کو چند ہی روز

میں معلوم ہوگیا کہ روم کے مقابلے میں ایران کا جُوا زیادہ بھاری تھا۔
خسرو نے وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر یہ ارادہ کیا کہ وہاں کے باشندوں کو ایران منتقل کر دے اور ایرانیوں کو یہاں بھیج دے۔ یہ بھلا کون منظور کر سکتا تھا۔ لازیکا والوں نے رومیوں کو اپنی مصیبت کی اطلاع دی اور رومیوں نے بہ حیثیت "حامیِ دینِ مسیحی" ان کی مدد کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایران اور روم کی چھڑ گئی۔
رومیوں نے پترا کا محاصرہ کر لیا۔ امید تو یہ تھی کہ ایران مُنہ کی کھائے گا، مگر رُومی سپہ سالار نے ایسی سستی سے کام لیا کہ نوشیروان نے تیس ہزار فوج وہاں پہنچا دی۔ اس نے رومیوں کو نکال باہر کیا۔ اس مہم میں رومیوں اور لازیکا والوں کا سخت نقصان ہوا۔ رومیوں نے آیندہ سال میں اس کی تلافی کرنا چاہی، لیکن اس مرتبہ پھر نوشیروان کی فوج آ پہنچی، جس میں ہاتھی بھی تھے، اور رومی مُنہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ یہ سودا گراں دیکھ کر رومیوں کو عارضی صلح کرنا پڑی۔ چوں کہ اس صلح میں لازیکا کے معاملات کو بالکل الگ رکھا گیا تو ظاہر ہے کہ اُن غریبوں کا کوئی فایدہ نہیں ہوا۔
اس کے اگلے ہی سال پھر لازیکا کا معاملہ بر روۓ کار آیا۔ امید تو یہ تھی کہ اب کے رومیوں کی خیر نہیں، ایران اُن کا بالکل اس سرزمین سے خاتمہ ہی کر دے گا؛ لیکن ایرانی سپہ سالار کی حماقت سے یہ نہ ہو سکا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ ایران کو بے حد نقصان اٹھا کر واپس آنا پڑا۔ مگر اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ نوشیروان کی آنکھیں کھُل گئیں اور اُس کو یہ معلوم ہوا کہ بحرِ اسود پر قبضہ رکھنے کے خواب کی تعبیر ہمیشہ معکوس ہی نکلے گی۔
سنہ ۵۶۲ء میں طرفین (ایران و روم) نے ایک مرتبہ پھر صلح کی، جس کے موافق نوشیروان لازیکا سے ہمیشہ کے لیے دست بردار ہوا اور اس کے معاوضے میں تیس ہزار اشرفیاں (دینار؟) سالانہ روم نے ایران کو دینے کا وعدہ کیا۔ اور شرائط یہ تھیں کہ عیسائیوں کو نہ ستایا جائے گا، مگر وہ کسی کو عیسائی بھی نہ کر سکیں گے؛ دارا میں بطریق

نہ رہ سکے گا؛ اور ایران کو دربند دے دیا جائے گا۔ یہ صلح از رُوۓ معاہدہ پچاس برس تک رہنے والی تھی۔

خسرو کے زمانے کا ایک اور بڑا واقعہ ترکوں کا سرزمین ایران میں داخل ہونا ہے۔ اس قوم نے چوں کہ ایران کی تاریخ پر بڑا اثر ڈالا ہے اس لیے اس کو یہاں بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مشرقی ترکوں کا مستقر شمالی اضلاع میں تھا' اور منگولیا سے لے کر کوہ یورال تک گویا اُن کے قبضے میں تھا۔ مغربی ترکوں کی ترک تاز کوہ الطائی سے سُردریا تک تھی۔ سب سے پہلا تُمن دار ایل خان (شیخ قبیلہ) سنہ ۵۳۲ میں مرگیا اور اُس کا جانشین اُس کا بیٹا کولو قرار پایا؛ مگر وہ بہت جلد مرگیا۔ اس کا بھائی موکن خان تھا' جس نے سنہ ۵۵۴ میں نوشیروان سے تعلقات پیدا کیے۔

سفید ہُونوں کا پوری طرح انتزاع نہیں ہوا تھا۔ خسرو نے اس نئے ایل خان (موکن خان) کو اُن کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ اس نے اُن کی خوب خبر لی اور اُن کے بادشاہ کو قتل کیا۔ واپس آیا تو اُن کا مُلک تقسیم کر لیا گیا؛ جیحون دونوں کی سرحد قرار پایا؛ اور خسرو کو بلخ مل گیا۔ موکن خان کی عزت افزائی کے لیے خسرو نے اُس کی بیٹی سے شادی کر لی۔

لگے ہاتھوں خزر کے قبائل کی بھی شامت آگئی۔ اگر چہ قباد نے اُن کو سزا دی تھی مگر وہ کافی نہ تھی۔ نوشیروان نے ان کو بالکل تباہ کر کے رکھ دیا۔

حبش کے رہنے والے عیسائی بادشاہ نے یمن پر حملہ کر کے اس کو اپنے ملک کے ساتھ ضم کر لیا۔ اس خاندان شاہی میں سے ابرہہ بڑا بہادر آدمی تھا۔ وہ بادشاہ ہوا تو اس نے یمن پر کچھ سختی کی اور صنعاء میں کئی گرجا بنا کھڑے کیے۔ اس سے رومیوں کو تو' بوجہ عیسائی ہونے کے خوشی ہوی' مگر نوشیروان کو ناگوار بھی ہوا، اور فکر بھی لگ

سہروس اعظم کی قبر

گیا۔ وہ اس وقت فارغ بھی بیٹھا تھا۔ ایک سپاہی سے بھلا یہ کب گوارا ہو کہ اُس کے ہتھیاروں کو زنگ لگ جائے۔ اُس نے سوچا کہ اگر حبشیوں کو یمن سے نکال دیا جائے تو ایک تو قوی دشمن پڑوس میں نہ رہے گا' دوسرے عرب اگر فتح نہ ہوا تو اُس پر ایران کا اثر و اقتدار بڑھ جائے گا۔ اتفاقاً قبیلۂ حمیر کا ایک آدمی اُس کے دربار میں پناہ گزین تھا؛ اُس سے نوشیروان نے مشورہ کیا تو اُس نے بہت کچھ امیدیں دلائیں۔ نوشیروان نے خلیج فارس کی راس الحد کے راستے سے عدن میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ حمیری اس کے مددگار ہوے' اور حبشیوں کو نکال باہر کیا۔ اس خدمت کے عوض میں خسرو نے ایک حمیری کو اپنا نائب السلطنت بنا دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہی کہ اسی سلسلے میں' بقول طبری کے' نوشیروان نے ہندوستان پر بھی حملہ کیا تھا۔ مگر اس کی تفصیل معلوم نہیں ہوتی؛ گو اس میں کوئی شبہہ نہیں ہی کہ یہ واقعہ غلط نہیں ہی۔

سنہ ۵۶۷ میں ترکوں کے خان نے اتحاد کی غرض سے خسرو نوشیروان کے پاس ایک سفارت بھیجی۔ نہ معلوم خسرو کو کیا سوجھی کہ سفیر کو زہر دلوا دیا۔ اس سے خان سخت ناراض ہو گیا اور اس نے رومیوں سے سازباز کر کے اُن کو اس پر آمادہ کیا کہ صلح توڑ دی جائے۔ تعجب تو یہ ہی کہ جو صلح پچاس برس کے لیے ہوی تھی وہ نو ہی برس میں رومیوں نے توڑ ڈالی۔ اصل میں اُن کو ڈر یہ تھا کہ ایران بہت ہی قوی ہوتا جا رہا ہی۔ نوشیروان کی عمر بھی ستر برس کی ہو چکی تھی؛ رومیوں کو یہ خیال تھا کہ وہ معذور ہو گیا ہو گا اور کچھ نہ کر سکے گا۔ ان کا خیال غلط تھا۔ "شیر باران دیدہ" جوانی کی طاقت کے ساتھ ایسا اٹھا جیسا ہو گا۔ وہ خود بڑی فوج لے کر میدان جنگ میں پہنچا اور پہلے ہی حملے میں رومیوں کو بھگا دیا' جو نسی بیس کا محاصرہ کیے پڑے تھے اور دارا تک اُن کا تعاقب کر کے اُس کو جا گھیرا۔ صرف یہی نہیں بلکہ چھ ہزار سوار بھیج کر ملک شام پر حملہ کیا اور انطاکیہ کو پھر تباہ

کرا ڈالا۔ یہ کارنمایاں کر کے یہ فوج دارا کے پاس پھر نوشیروان سے آملی۔ آخر دارا نے اپنے دروازے کھول دیے اور نوشیروان مظفر و منصور داخل ہوگیا۔

اس واقعے سے رومیوں کے بادشاہ کو ایسا صدمہ ہوا کہ وہ تخت ہی سے دست بردار ہوگیا۔ نئے بادشاہ نے پینتالیس ہزار دینار دے کر ایک سال کے لیے عارضی صلح کر لی۔ اس اثناء میں اس نے فوجیں جمع کیں، لیکن اس کی ہمت نے جواب دے دیا اور تیس ہزار دینار سالانہ ادا کرنے کے عوض میں تین برس کے لیے صلح کی میعاد اور بڑھوالی۔

جیسے ہی عارضی صلح کی میعاد ختم ہوی نوشیروان نے فوراً ایرانی ارمینیا پر حملہ کر دیا اور پھر رومی ارمینیا پر۔ اور پیش قدمی کا ارادہ تھا کہ اُس کو اس لیے تامل کرنا پڑا کہ سیتھیا کے ایک امیر نے، جو رومیوں کا تنخواہ دار تھا، اُس کے سامان رسد وغیرہ کو لوٹ لیا۔ نوشیروان نے اس کا انتقام رومیوں پر شب خون مار کر لے لیا۔

اب چوں کہ سردی کا موسم آگیا تھا خسرو واپس آگیا۔ رومیوں نے اس موقعے کو غنیمت سمجھ کر ایرانی ارمینیا کو لوٹ لیا۔ سنہ ۵۷۶ء میں خسرو نے آکر رومیوں کو سخت شکست دی۔ سنہ ۵۷۸ء میں رومیوں نے ایرانی ارمینیا کو لوٹا۔ ارضین اور مشرقی حصۂ عراق عرب پر قبضہ جمالیا، اور کردستان کی طرف فوجیں بھیجیں۔ بوڑھا، ناتوان خسرو کردستان کے پہاڑوں پر بیٹھا ہوا اپنے عزیز مقبوضات کو یوں تباہ ہوتے ہوے دیکھ رہا تھا، اور اپنے ضعف کی وجہ سے دم نہیں مار سکتا تھا۔ اس نے اسی میں خیریت دیکھی کہ جس طرح بنا مداین بھاگ گیا، اور یہیں اپنی روان نوشین روان آفرین کو سپرد کر دی۔ مبارک تھا مرنے والا کہ آج تک اُسے خلق اللہ یاد کرتی ہے۔

کوئی شبہہ نہیں کہ خسرو نوشیروان ایران کی تاریخ میں بہت بڑا آدمی تھا۔ وہ جم

و انصاف، قوت و بسالت کا مجسمہ تھا۔ اس نے تجارت کو ترقی دی؛ زراعت کے لیے افتادہ زمین نوتوڑ کرائی۔ ملک کا بندوبست کر کے قانون جاری کیے؛ لگان کو ہلکا کر کے نقد وصول کیا۔ فوج کو از سرِ نو ترتیب دیا؛ اس کو جنگ کے قابل بنا دیا؛ سپاہیوں کی دل دہی کی۔ ان کی حیثیت کے موافق تنخواہ مقرر کی۔ بے کاری اور سستی کو جرم قرار دیا؛ دوسروں پر بار ڈالنے کی جگہ درویشوں کو سزائیں دے کر اُن سے کام لیا۔ مسافروں کی آسائش و حفاظت کا انتظام کیا؛ پُرانی سڑکوں کی مرمتیں کرائیں؛ نئی سڑکیں بنوائیں۔ تاجروں اور سیاحوں کو ایران آنے کی تشویق کی۔ فلسفے کا خود کو شوق تھا، رعایا کو تعلیم کی طرف مائل کیا۔ جندی شاپور میں طبی یونی ورسٹی کھولی۔ اردشیر کے قوانین کو جمع کر کے شائع کرایا۔ ایران کی تاریخ موسومہ خدائی نامک لکھوائی۔ ہندوستان کے بیدپای برہمن کی کتاب (کلیلہ دمنہ) اسی کے زمانے میں ہندوستان سے گئی؛ اور اس کے ساتھ ہی شطرنج بھی ایران میں پہنچی، اور چین سے ریشم آیا۔ اس کے عدل و انصاف کے قصّے زبان زد اور کلماتِ حکمت مشہور ہیں۔ قصّہ مختصر، بقولِ سعدی:

زندہ است نامِ فرّخِ نوشیرواں بہ عدل   گرچہ بسی گذشت کہ نوشیرواں نماند!

یہ سب کچھ تھا، مگر عن قریب جو کچھ ہونے والا تھا اس نے ثابت کر دیا کہ یہ ایک سنبھالے سے زیادہ نہ تھا۔

ہرمزد چہارم

(۵۷۹ تا ۵۹۰)

خسرو نوشیرواں کا بیٹا ہرمزد، جو ایک تاتاری خان کی بیٹی کے بطن سے تھا اور اسی لیے "ترک زاد" کہلاتا تھا، بغیر کسی مخالفت کے باپ کی جگہ تخت پر متمکن ہو گیا۔ شروع شروع میں تو وہ اپنے نامور باپ کے نقشِ قدم پر چلا اور ہر طرح عدل کی داد دی، مگر بعد

بس وہ ظلم کی طرف مائل ہوگیا۔ اس کے یہ معنی تھے کہ اس قاعدۂ مستمرہ نے کارفرمائی کی کہ ہر ایک یا دو لائق بادشاہ کا جانشین نالائق ہو۔

رومیوں کے ساتھ بے کار اور بے نتیجہ جنگ جاری تھی۔ رومی بادشاہ نے سنہ ۵۷۹ میں دجلہ پار ایک فوج بھیج کر وہاں کی زراعت کو تباہ کر ڈالا اور عربوں کو اپنا مددگار بنایا۔ انھوں نے ایرانیوں ہی کو نقصان پہنچایا۔ سنہ ۵۸۱ میں البتہ رومیوں نے بڑی فتح پائی۔ اگلے سال ایرانیوں نے بدلہ لے لیا۔ غرض سنہ ۵۸۸ تک یہی بچوں کا سا کھیل ہوتا رہا۔ فتح و شکست کبھی ایک فریق کو ہوتی تھی، کبھی دوسرے کو، مگر سب بے کار۔

سنہ ۵۸۸ میں ہرمزد کو ان لڑائیوں میں مصروف دیکھ کر تاتاریوں (ترکوں) نے ایران پر حملہ کیا۔ انھوں نے ایران کو مُنہ کا نوالا سمجھا تھا۔ ہرمزد نے اپنے سپہ سالار بہرام چوبین کو جنگ آزمودہ فوج دے کر بھیجا۔ وہ آسانی کے ساتھ فتح یاب ہوا۔ ترکوں کا خان اور اُس کا بیٹا مارا گیا؛ اور ایران کو بہت کچھ لوٹ کا مال ہاتھ آیا۔

سنہ ۵۸۹ میں ترکوں سے فارغ ہو کر بہرام چوبین نے لازیکا پر حملہ کیا اور رومیوں سے شکست اٹھائی۔ ہرمزد اپنے سپہ سالار بہرام چوبین سے بوجہ اس شکست کے ناراض ہوگیا، اور اس کی توہین کر ڈالی۔ بہرام چوبین کو ایسا غصہ آیا کہ اُس نے بغاوت کر دی۔ اُس کو سزا دینے کے لیے جو فوج ہرمزد نے بھیجی وہ بھی اُس سے مل گئی۔ ادھر دار السلطنت کے لوگ حتیٰ کہ خود ہرمزد کے عمائد و خدمت گار اُس کے ظلموں سے تنگ آ گئے۔ سب نے مل کر پہلے تو اُسے اندھا کیا، پھر قتل کر دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۵۹۰ کا ہے۔

خسرو دوم (خسرو پرویز)

(۵۹۰ تا ۶۲۸ ع)

ہرمزد چہارم کے بعد اس کا بیٹا خسرو پرویز تخت نشین ہوا، اور وہ بھی قسطنطنیہ کی مدد کی بدولت ہوا۔ اُس نے تخت پر بیٹھتے ہی بہرام چوبین کو لکھا کہ ہرمزد کا انتقال ہو چکا ہی، اب بہتر یہ ہی کہ وہ بھی اپنی حرکتوں سے باز آجائے اور تاج و تخت ایران کا وفادار ہو جائے۔ بہرام چوبین نے گستاخانہ جواب دیا۔ خسرو پرویز نے پھر لکھا، مگر وہ نہ مانا۔ مجبوراً فوج لے کر اُس نے چڑھائی کی، مگر شکست کھائی۔ مداین کے بچا لینے کی کوئی صورت نہ دیکھ کر خسرو پرویز بھاگا، اور بہرام چوبین نے اس کا تعاقب کیا۔ ہوتے ہوتے خسرو پرویز رومی سرحد میں پہنچ گیا۔ رومی افسر بڑی تپاک سے پیش آئے، اور آخر سنہ ۵۹۱ میں اُسے اس شرط پر فوج سے مدد دی کہ ایرانی ارمینیا اور دارا روم کو دے دیا جائے۔

یہاں بہرام چوبین تخت ایران پر قابض ہو چکا تھا۔ جب اُس نے یہ سُنا کہ خسرو پرویز کے مددگار رومی بن گئے ہیں تو وہ گھبرایا۔ اتنے میں خسرو پرویز دجلہ کو عبور کر چکا تھا۔ بہرام چوبین کی فوج نے وہاں اُس کا مقابلہ کیا۔ خسرو نے اُس کے سپہ سالار کو پکڑ کر اُس کی ناک کان کاٹ کر اُس کے آقا کے پاس بھیج دیا۔

آخر خسرو پرویز نے مدائن کو لے لیا۔ بہرام چوبین کردستان کی طرف بھاگا۔ خسرو نے اُس کا پیچھا کیا۔ آخر بہرام چوبین بالکل بے دست و پا ہو کر وہیں گوشہ گزین ہو گیا۔ چند روز کے بعد خسرو پرویز نے اُس کو ایران بُلوا کر قتل کرا ڈالا۔ اتنے بڑے سپاہی کا یہ انجام افسوسناک ہی اور ایران کے لیے سخت مضر ثابت ہوا۔

روم میں قیصر موریس، جو خسرو پرویز کا مربی تھا سنہ ۶۰۲ ع میں مار ڈالا گیا۔ خسرو نے اس کا انتقام لینے کے لیے فوج کشی کی۔ نو مہینے کے محاصرے کے بعد اس نے دارا لے لیا،

پھر عراق عرب میں کئی قلعے رومیوں سے چھین لیے؛ اور ارمینیا پر حملے کر کے وہاں بھی کئی قلعے اور شہر رومیوں سے چھڑا لیے۔ سنہ ۶۰۵ء میں خسرو پرویز واپس آگیا۔ سنہ ۶۰۴ اور سنہ ۶۱۰ء کے اندر (غالباً سنہ ۶۱۱ء) میں ایک چھوٹی سی مہم خسرو پرویز کو پیش آئی۔ اُس وقت تو وہ اتنی حقیر سمجھی گئی کہ کسی کو خبر ہوی کسی کو نہیں۔ لیکن زمانۂ مابعد میں یہ معلوم ہوا کہ یہ اہم مہم تھی اور اس سے بڑے بڑے نتائج پیدا ہوے۔

یہ مشہور تھا کہ اہل عرب کسی کو اپنے برابر نہیں سمجھتے، اور سوائے عرب کے اپنی بیٹی کسی کو نہیں دیتے۔ خسرو پرویز کے ایک دشمن نے نعمان کی بیٹی کے حُسن کی تعریف کی اور اُس کو اس پر اُبھارا کہ اس (نعمان کی بیٹی) کے واسطے خواستگاری کرے۔ جو جواب آنے والا تھا وہ ظاہر تھا۔ اب اس شخص نے خسرو پرویز سے کہہ سُن کر نعمان پر چڑھائی کرادی۔ بنو طے کے ایک شخص نے خسرو پرویز کی اُس زمانے میں مدد کی تھی جب وہ تخت سے اتار دیا گیا تھا؛ اُس نے اُسی پر بھروسا کیا، اور اُسی کو نعمان کو سزا دینے کے لیے مقرر کیا۔ نعمان کو یہ خبر لگ گئی، وہ شیبانی کے پاس چلا گیا، اور قبیلے کے رئیس ہانی کے پاس اپنے خزانے رکھوا دیے۔ ہانی خسرو پرویز کے پاس نعمان کی سفارش کرنے آیا۔ شہنشاہ نے اُسے قتل کرا ڈالا، اور اُس کے قبیلے کو حکم دیا کہ نعمان کا خزانہ لا کر خسرو کے سپرد کر دیں۔ اہل عرب کی امانت داری بھی مشہور تھی؛ ادھر سے انکار ہوا۔ فوج موجود ہی تھی، فوراً چالیس ہزار ایرانی سپاہ نے جس میں عرب بھی شامل تھے، حملہ کر دیا۔ کئی لڑائیاں ہوئیں۔ آخری جنگ ایک مقام ذوقار میں ہوی۔ جتنے عرب سپاہی تھے وہ عربوں سے جا ملے۔ خسرو پرویز کی فوج میں معدودے چند آدمی بچے۔

اس لڑائی کا باعث محض نفسانیت اور حماقت تھی۔ اس سے ایران کا پول

کھُل گیا اور عربوں کی نگاہ میں ان کا رعب خاک میں مل گیا۔ چوں کہ یہ واقعہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے قریب ہوا تھا، اس لیے بعض مؤرخین کی یہ رائے ہے کہ اگر ذوقار کی لڑائی نہ ہوتی، تو بہت ممکن تھا کہ ایران کی فتح میں مسلمانوں کو دِقت کا سامنا ہوتا۔ مگر "سائیں کے سو کھیل"، وہ سببِ حقیقی جب عرب جیسی "ذلیل" قوم کے لیے خود راستے صاف کر رہا ہو تو کس کی مجال ہے کہ دم بھی مار سکے، روکنا تو کجا!

غرض مغرور شہنشاہِ ایران کی ایک چھوٹی سی حماقت سے اس کا بھرم یوں کھُل گیا۔ اب جبابرۂ روم کو دیکھنا ہے، جو ایران کا پشتینی رقیب، عیسائیوں کا حامی، یورپ کا والی وارث تھا۔

رومی سلطنت میں سخت فتنہ و فساد ہو رہا تھا؛ ہر طرف نافرمان برداری، بلکہ بغاوت تھی، ملک بھر میں سخت اختلال تھا؛ رعایا تباہ تھی اور حکام و عُمّال اُن کے مال سے موٹے ہو رہے تھے۔

ایک شخص فوکاس نامی، ایک چھوٹے سے فوجی عہدے سے سپہ سالار ہو گیا تھا۔ قسطنطنیہ میں یکایک فساد ہو گیا۔ قیصر موریس اُس کا انتظام نہ کر سکا تو اُس نے تخت سے دست برداری کر لی، اور اُسی فوکاس نے تخت سنبھالا۔ اس وقت جو پولٹیکل حالت ملک کی تھی وہ اُس کے مان کی نہ تھی: نہ اُس کو فرو کر سکا نہ ایران کو روک سکا جس کی للچائی ہوئی نظریں رومیوں پر پڑ رہی تھیں۔ اُس نے کیا تو یہ کہ ترکوں کی ایک قوم کو اپنا مددگار بنایا، اور اُن کو بہت کچھ دے کر سلطنت کا روپیہ ضائع کیا۔ رعایا نے آٹھ برس تک اس امید میں انتظار کیا کہ شاید امن و امان کا کوئی راستہ نکل آئے۔ آخر سنہ ۶۱۰ء میں افریقہ کے گورنر کا بیٹا ہرقل ایک بیڑہ لے کر قسطنطنیہ پہنچا۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ رعایا نے یہ سمجھ کر کہ شاید یہ ہمارا دست گیر

ہ ن سکے اُس کو اپنا بادشاہ مان لیا۔ فوکاس سے دم کے دم میں قسطنطنیہ خالی کرالیا گیا۔
ہرقل نے تخت سنبھالا تو ملکی و مالی حالت دیکھ کر گھبرا گیا؛ مگر ہمت کرکے نئے انتظامات شروع کر دیے۔

خسرو پرویز تاک میں بیٹھا ہوا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ اس سے زیادہ رومیوں کو ڈھیل دینی ایران کو بدنام کرنا ہے۔ اس نے سنہ ۶۱۱ میں شام پر حملہ کر دیا۔ رومی فوجوں میں اتنا دم کہاں، ایرانی فوجوں نے انطاکیہ اور اپامیا کو جا لیا۔ اگلے سال اور آگے بڑھا اور سنہ ۶۱۴ میں دمشق پر قبضہ کر لیا۔ یہاں بیٹھ کر خسرو پرویز نے اعلان کیا کہ میرا مقصود اصلی عیسائیوں کا نام و نشان مٹا دینا ہے۔ اپنی فوجوں کو بھی اسی کی ترغیب دی۔ یہ خیال، اور پھر اس کا اعلان فی نفسہٖ سب سے بڑی حماقت تھی؛ لیکن بہ حالتِ کامیابی و کامرانی آدمی کو پس و پیش کہاں سوجھتا ہے! چھبیس ہزار یہودی اس کے ساتھ ہو سے اور یروشلم کو جا لوٹا۔ یہ ایک اور حماقت تھی۔

سنہ ۶۱۶ میں ایرانی سپہ سالار 'شہر براز' نے مصر کی سب سے بڑی اور متموّل منڈی اسکندریہ پر قبضہ کر لیا۔ نو سو برس سے زیادہ کے بعد ایران پھر وادئ نیل پر قابض ہوا۔

سنہ ۶۱۷ میں شمال کی طرف اور پیش قدمی کی گئی اور شہر پر شہر اور قلعوں پر قلعے قدم بوس ہوتے رہے۔ یہ حالت دیکھ کر ہرقل نے بذاتِ خود ایرانی سپہ سالار 'شاہین' سے مل کر یہ چاہا کہ ایران اب بس کر دے۔ اس غرض کے لیے ایک سفیر خسرو پرویز کی خدمت میں بھیجا گیا۔ یہ درخواست گستاخی سمجھی گئی؛ سفیر قید کر دیا گیا، اور شاہین پر عتاب ہوا کہ اُس نے ہرقل کو قید کر کے کیوں نہیں بھیجا۔

رومی سلطنت کی ایسی زدہ حالت تھی کہ اُس کے پاس قسطنطنیہ رہ گیا تھا، یا ایشیا کے چند بنادر۔ اٹلی، یونان اور افریقہ میں جو چھوٹے چھوٹے مقبوضات رہ گئے تھے اُن کا ذکر نہیں،

مصیبت تنہا نہیں آتی۔ ایران جیسا قوی دشمن تو کلّے پر تھا ہی، ترکوں نے تھریس پر حملہ کیا، اور خشکی کی طرف سے قسطنطنیہ معرضِ خطر میں آگیا؛ اور قسطنطنیہ ہی کیا تمام یورپ معرضِ خطر میں تھا اور ایران کے نام سے کانپ رہا تھا۔ ایرانیوں کا ستارۂ اقبال اِس وقت اُس منتہائے عروج پر تھا کہ اب محاق کا اندیشہ شروع ہوگیا تھا۔

ہرقل نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ بھاگ جائے! چنانچہ اُس کے خزانے روانہ ہو ہی چکے تھے کہ لوگوں کو خبر لگ گئی۔ قسطنطنیہ والے شمشیر بکف ہو گئے کہ بادشاہ کو نہ جانے دیں گے۔ بطریق نے رعایا کا ساتھ دیا۔ آخر ہرقل کو ایاصوفیہ میں جاکر قسم کھانی پڑی کہ وہ اپنی رعایا کو موت کے مُنہ میں نہ چھوڑے گا۔

انتہائے مایوسی میں یہ خیال اکثر منجر بہ کامیابی ہوتا ہی کہ "لاؤ یہ آخری تدبیر بھی کر دیکھیں"۔ ہرقل کے پاس کچھ نہ تھا، صرف ایک سمندر رہ گیا تھا۔ دشمن قسطنطنیہ سے قریباً ایک میل کے فاصلے پر کھڑا تھا کہ ہرقل سنہ ۶۲۲ ء میں رات کے اندھیرے میں اپنے بیڑے کو اس غرض سے نکال لے گیا کہ شاید یورپ کو بچانے کی کوئی تدبیر نکل آئے۔ وہ کسی طرح ایسوس پہنچ گیا، جہاں سکندر اعظم کو بڑی فتح ہوئی تھی۔ شہر براز اپنی فوج لیے کھڑا تھا؛ ہرقل نے فوراً حملہ کیا اور فتح پائی۔ یہ اس کی پہلی فتح تھی۔ اس سے زیادہ اُس نے کچھ اور کرنا مناسب نہ سمجھا اور قسطنطنیہ لوٹ آیا۔

خسرو پرویز چالیس ہزار فوج لیے ہوئے لازیکا میں پڑا ہوا تھا۔ سال آئندہ (سنہ ۶۲۳ ء) میں ہرقل نے ایسا شدید حملہ کیا کہ اس کو بھاگنا پڑا۔ اس فتح سے رومیوں کا کچھ تھوڑا سا اقتدار بڑھ گیا۔

سنہ ۶۲۴ ء میں خسرو پرویز نے خود اس غرض سے حملہ کیا کہ ہرقل کو البانیا سے نہ نکلنے دے۔ ہرقل نے اپنی فوج کو غیر مکتفی دیکھ کر آرمینیا کا رُخ کیا۔ وہاں ایرانی

فوج تین دستوں میں بٹی ہوئی تھی، اور شہر براز خود موجود تھا۔ ہرقل نے یک لخت تینوں پر حملہ کیا۔ شہر براز نے ایسی شکست کھائی کہ فوج تو ایک طرف، اپنی چھاؤنی بھی کھوئی اور جان کے لالے پڑ گئے۔ اگلے سال پھر ہرقل سے شہر براز کو سابقہ پڑا، اور اُس (شہر براز) نے پھر شکست کھائی۔

خسرو پرویز نے جب یہ دیکھا کہ قسمت کا پانسہ اس کے خلاف پڑ رہا ہے تو وہ بہت گھبرایا۔ اس نے ترکوں کے خان سے اتحاد کر کے بڑی فوج بھرتی کی، اور اُس کے دو دستے کیے: ایک ہرقل کے مقابلے کے لیے اور دوسرا قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کی غرض سے۔ پہلا دستہ شاہین کی ماتحتی میں تھا اور دوسرا ترکوں کے خان کی۔ ہرقل تابِ مقاومت نہ لا سکا۔ اُس نے اپنے بھائی تھیوڈور کو قسطنطنیہ کی حفاظت پر مقرر کیا، اور خود جا کر طفلس پر چھاپہ مارا۔ گو ہرقل کو اس میں ناکامی ہوی، مگر خسرو پرویز کی فوج اُدھر مشغول ہوگئی۔ قسطنطنیہ کو چھوڑ کر تھیوڈور نے شاہین پر حملہ کیا۔ قسمت ایرانیوں کے خلاف تھی ہی، اولے پڑنے لگے! اولوں کی بوچھاڑ ایرانیوں کے خلاف تھی، اس پر تیروں کی بوچھاڑ۔ ایرانیوں کے قدم اُکھڑ گئے اور شاہین کو بھاگنا پڑا۔ اب رہ گیا خان، اُس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، مگر قسمت نے یہاں بھی ساتھ نہ دیا اور اُس کو بھی بھاگنا پڑا۔

قسمت قدم قدم پر ہرقل کا ساتھ دے رہی تھی، دل بڑھے ہوئے تھے، رعب روز بروز بڑھتا جا رہا تھا، اُس نے دست گرد پر حملہ کر دیا۔ یہ مقام مدائن سے ستّر میل تھا خسرو پرویز یہیں مقیم تھا۔ نینوی کے قریب لڑائی ہوی۔ ایرانیوں کا سپہ سالار مارا گیا مگر فوج جمی رہی۔ ہرقل کی فوج جتنی بڑھتی تھی خسرو پرویز کا دل بیٹھا جاتا تھا: آخر خسرو بھاگ اٹھا۔ ہرقل نے پیچھا نہیں کیا۔

خسرو پرویز کچھ ایسا جھنجلایا ہوا تھا اس نے شہر براز کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، شاہین کی

لاش کی بے حرمتی کی، اور بہت سے اور فوجی افسروں کو قید کر دیا۔ اس سے فوج بگڑ بیٹھی۔ رعایا پہلے ہی نالاں تھی۔ عام بغاوت بالکل تیار تھی۔ مدائن والوں نے اس کو پکڑ کر قید کر دیا، اور جتنی بھی بے عزتی کر سکتے تھے اپنے بادشاہ کی کی۔ اُس کی اولاد کو اُس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کر ڈالا۔ غرض کہاں تک کہا جائے، غریب خسرو پرویز اسی قید میں سنہ ۶۲۸ میں مر گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُسے بھی قتل کیا گیا تھا۔

فارسی ادبیات میں جتنا ذکر خسرو پرویز کا آتا ہے اتنا شاید ہی کسی ساسانی بادشاہ کا آتا ہو۔ اس کی وجہ سے اُس کی حسین عیسائی بیوی 'شیریں' اور اُس کا مشکی گھوڑا شبدیز بھی زندۂ جاوید ہو گیا ہے۔ وہ اپنی وسیع سلطنت، اپنی صولت، اپنے جاہ و جلال، اور اپنے عیش و عشرت اور اپنی دولت کی وجہ سے بھی بہت مشہور ہے۔ اُس کے خاندان کے کسی بادشاہ کو بھی شاید اتنی کامیابیاں اور اتنی ناکامیاں نہ ہوئی ہوں گی جتنی اُس کو۔ اگر ہرقل کی قسمت یاوری نہ کرتی تو یقیناً اُس کی سلطنت ہخامنشیوں سے بڑھ جاتی۔ جو کچھ بھی تھا، وہ رعایا کو مفلوک چھوڑ گیا اور اپنی مثال سے دارالسلطنت کے لوگوں کو عیاش بنا گیا۔

سنہ ۶۲۸ میں خسرو پرویز کی موت کے بعد سے سنہ ۶۳۲ میں یزدگرد سوم کی تخت نشینی تک کے چار برس میں بارہ اشخاص نے تخت شاہی پر قدم رکھا اور تاج شاہی پہنا۔ پرویز کے بعد اس کا بیٹا شیرُویہ تخت پر آیا۔

سنہ ۶۲۸ تا ۶۳۲ ء

شیرُویہ

اس بادشاہ نے اتنا ضرور کیا کہ مرنے سے پہلے ہی رومیوں سے صُلح حاصل کر لی۔

اس کے بعد اس کا شیرخوار بچہ

اردشیر سوم

بر تخت پر بیٹھا تھا کہ خزروں نے گرجستان اور آرمینیا پر حملہ کر دیا۔ سپہ سالار شہر براز کو اُوتی کے مقام پر سخت شکست ہوئی، مگر اسے اتنی کامیابی ضرور ہوئی کہ اس نے ہرقل کے ساتھ سازش کر کے بچہ بادشاہ کو تخت سے اتار کر تاج پر بھی قبضہ کر لیا۔ مگر ابھی دو مہینے بھی نہیں ہونے تھے کہ شہر براز خود قتل ہو گیا۔ ہرمزد چہارم کے ایک پوتے 'خسرو سوم' نے خراسان میں اُس کے خلاف بغاوت کر دی، اور مدائن میں اُس کی بہن پُوران دُخت تاج پوش ہوئی۔ ہرقل سے جو صلح ہوئی تھی، اس کا ایک نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ ایرانیوں نے یروشلم کی اصلی صلیب جو وہاں سے لے آئے تھے وہ واپس کر دی۔ پوران دُخت نے بھی سترہ مہینے حکومت کر کے شکستوں سے تنگ آکر تخت و تاج ترک کر دیا۔ اُس کے بعد اُس کی ایک بہن آزرمی دُخت ملکہ بنی۔ دوسری طرف خسرو پرویز کے ایک پوتے 'ہرمزد پنجم' نے نسی بیس میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور سنہ ۶۳۲ تک بادشاہ بنا رہا، جب اس کے سپاہیوں نے اسے پکڑ کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد شہریار کا بیٹا

یزدگرد سوم

۶۳۲

۱۶ر جون سنہ ۶۳۲ کو بادشاہ ہوا۔ اسی تاریخ سے ایران کی ایک نئی تقویم شروع ہوئی، جو اُس کے نام سے تقویم یزدگردی کر کے مشہور و معلوم ہے۔
اسی سال ملک عرب میں حضرت محمد رسول اللہ صلعم نے وفات پائی تھی، اور

حضرت ابوبکرؓ اُن کے جانشین ہوئے تھے۔ انھیں حکومت سنبھالتے ہی ایک طرف تو خود عرب کے اندر کے فتنوں کا سامنا کرنا پڑا، جن کو انھوں نے بڑی قابلیت سے جلد ہی ختم کر دیا، دوسرے شام کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ شام میں عرب سپاہ سالار اُسامہ کو بڑی فتح حاصل ہوئی تھی۔ پھر عرب کے شمال مشرق میں حیرہ کی ریاست کے خانہ بدوش قبیلوں سے تصادم ہوا۔ حیرہ کی ریاست ایک نیم عرب حکومت تھی جو ایران کے اقتدار کے ماتحت چل رہی تھی۔ عرب کے شمال مشرق میں حُجر سے (جو ایران کے مقبوض ملک کلدیہ کی حدود پر تھا) لے کر بحر مُردار اور حَوران کے سطوح مرتفع تک کے تمام علاقے میں ایک خانہ بدوش قوم آوارہ گھوما کرتی تھی۔ یہ قوم اب بھی موجود ہے۔ گو اس کے نام بدل گئے ہیں، اور اب بھی اُسی طرح خانہ بدوشی اور آوارگی کی زندگی بسر کرتی ہے۔ اُن میں زیادہ تر عیسائی مذہب کے لوگ تھے۔ شام کی طرف کے باشندے تو غسّان کی ریاست کی طرح رومیوں کے سایۂ اقتدار میں تھے، اور مشرقی علاقے کے لوگ (مثلاً بنو تغلب) ایران کا لوہا مانتے تھے مگر یہ سب قبائل اپنے اصل و نسل اور تعلقات کے لحاظ سے اپنے ہمسایہ عرب قبیلوں سے میل جول رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں جب عرب کے مسلمانوں اور خلیج فارس کے مغرب میں رہنے والے باغی و طاغی عربوں میں تصادم ہوا تو اُس کا اثر ہمسائے کے ان قبائل پر بھی پڑا جو ایران کے قبضۂ اقتدار میں اور اس کے دست نگر تھے۔ دجلہ اور فرات دونوں شمال مغرب کی سمت سے بہتے ہوئے آتے ہیں، اور جب دونوں سمندر سے چند سو میل پہلے آ کر مل جاتے ہیں، تو دونوں کا متحد نام شطّ العرب ہو جاتا ہے۔ اس علاقے کا زیریں حصہ، جو ایک میدان ہے، بابل اور کلدیہ کہلاتا تھا، اور عربوں نے اس کا نام عراق عرب رکھا تھا۔ دریائے دجلہ پر قدیم شہر نینوی، ایرانی دارالسلطنت مدائن، اور بغداد جیسے بڑے بڑے شہر واقع تھے۔ اسی طرح دریائے فرات پر بابل، حیرہ، کوفہ، قرقیسیا اور رَقّہ

آباد تھے۔ مشرق میں دجلہ کے پار کوہ زودگروس کے پورب کی طرف جو ملک ہی اُسے عرب عراق عجم کہتے ہیں، اور وہ اس زمانے میں ایران کا گویا مرکز تھا۔

غرض کہ جب خود عرب کے معاملات روبراہ ہو گئے تو عرب کے سپاہ سالار، خالد اور مثنیٰ، اہل حیرہ کے حملوں کے جواب میں ان کی سرکوبی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کی حمایت میں کلدیہ کے ایرانی سالار نے سرحد ہی پر لڑائی چھیڑ دی اور سخت شکست کھائی۔ اہل حیرہ نے مات تسلیم کی اور عربوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ ان کے بعد کلدیہ کے دہقان (یعنی بڑے بڑے جاگیردار) بھی مطیع ہو گئے۔ عرب مسلمانوں نے مالگذاری کی ایک معینہ رقم کے عوض میں ان کی املاک کو بحال رکھا۔ زمینداروں اور کسانوں سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا اور وہ بدستور سابق اپنی زمینوں اور کھیتوں پر قابض رہ گئے۔

حیرہ کی فتح سے ایرانیوں کی آنکھیں کھل گئیں اور اب انھیں موقع کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ ایک طرف تو یہ نئی اٹھتی ہوئی طاقت تھی جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی، دوسری طرف دولت مند اور طاقتور ایران تھا، جس کی وسیع حکومت میں زمانۂ حال کا تمام ایران، باختر، وسط ایشیا کے تمام صوبے، تاتار، ہندوستان کی سرحد تک کا کل علاقہ، عراق عجم اور عراق عرب، سب کچھ شامل تھا۔ ایرانیوں نے عربوں کو کلدیہ سے مار بھگانے کے لیے ایک زبردست لشکر روانہ کر دیا۔ عربوں کی طرف سے، چوں کہ خالد شام کو جا چکے تھے، مثنیٰ ہی ایک چھوٹی سی فوج کے ساتھ ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ وہ اجازت اور کمک حاصل کرنے کے لیے مدینہ پہنچے۔ مگر اسی سال (سنہ ۶۳۴ء) میں حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی، اور حضرت عمرؓ ان کے جانشین ہوئے۔ انھوں نے فوراً مثنیٰ کو کمک پہنچائی۔ اس تازہ فوج کے سپاہ سالار ابوعبیدہؓ تھے۔ انھوں نے بے سوچے سمجھے ایرانیوں سے جنگ شروع کر دی اور نتیجہ یہ ہوا کہ

خود اس جنگ میں شہید ہوئے اور فوج نے ہزیمت کھائی۔ مگر فوراً ہی مثنیٰ نے بُوَیب کے مقام پر، جو فرات کے ایک مغربی معاون دریا پر واقع تھا، ایرانیوں کو شکست دی اور حیرہ کو دوبارہ فتح کرلیا۔

نادان مگر جوشیلے یزدگرد نے بڑی ہمت سے کام لیا، اور عزم کرلیا کہ نہ صرف عربوں کو حیرہ سے نکال باہر کرے گا بلکہ خود اُن کے ملک پر حملہ کر کے اسے بھی فتح کرے گا۔ اس ارادے سے اس نے ایک لاکھ آدمیوں کا ایک لشکر جرار کلدیہ کی طرف روانہ کردیا۔ عرب اس بلائے بے درماں کی مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور کلدیہ کو چھوڑ صحرا کی طرف واپس ہوکر مدینہ سے تازہ کمک کا انتظار کرنے لگے۔ اسی اثنا میں مثنیٰ نے انتقال کیا، اور سعد بن وقاص تیس ہزار کی تازہ فوج لے کر آپہنچے۔ قادسیہ میں تین دن میدان کارزار گرم رہا، اور فریقین نے مردانگی اور شجاعت کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ تیسرے روز ایرانیوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ اُن کا سالار قتل ہوا، اور فوج بے تحاشا شمال کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس جنگ نے کلدیہ اور عراق دونوں کی قسمتوں کا فیصلہ کردیا۔ کلدیہ پر پھر عربوں کا قبضہ ہوگیا، اور اہلِ حیرہ پر نقض صلح کی پاداش میں اور زیادہ ٹیکس لگایا گیا۔ اب سعد بابل کی طرف روانہ ہوئے، جہاں ایران کے تین سپہ سالار فیروزان، ہُرمزان اور مہران اپنی بقیۃ السیف ایرانی سپاہ کو دوبارہ قسمت آزمائی کے لیے جمع کر رہے تھے۔ سعد نے ان کو شکست دے کر منتشر کردیا۔ مہران ایران کے پایۂ تخت مدائن کی طرف فرار کر گیا، ہرمزان نے اپنے شہر اہواز کی راہ لی؛ اور فیروزان نے نہاوند کا رُخ کیا جہاں شہنشاہ ایران کے خزانے تھے۔ چوں کہ مدائن کو فتح کیے بغیر کلدیہ پر بھی قابو رکھنا ناممکن تھا، اس لیے سعد نے ناچار مدائن کا رُخ کیا، جہاں مہران نے پھر ایک زبردست فوج جمع کرلی تھی۔ سعد نہایت تیزی سے مدائن پہنچا، اور مختصر سے محاصرے کے بعد

اسے فتح کر لیا۔ اس کا فتح ہونا تھا کہ دجلہ کے مغرب کی طرف کے تمام ملک نے اطاعت قبول کر لی۔ اس فتح کے شکرانے میں مسلمانوں نے خسروانِ ایران کے فلک نما محل میں دو رکعت نماز ادا کی جسے صلوٰۃ الظفر کہتے ہیں۔ اس میں تمام مسلم سپاہ شریک تھی۔ سعد نے اس کے بعد سے مدائن کو اپنا مستقرِ اعظم قرار دیا، اور خود ایران کے خسروانِ ساسانی کے محل میں قیام کیا، اور وہیں ہر جمعہ کو باقاعدہ نماز ہونے لگی۔ وہیں انھوں نے تمام مفتوحہ صوبجات کی حکومت قائم کی اور ملک کی تدبیر کی۔

ابھی زیادہ عرصہ گذرنے نہ پایا تھا کہ مسلمانوں کو ایرانیوں نے پھر جنگ آزمائی پر آمادہ کیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ یزدگرد نے، جو اس وقت سلسلۂ کوہ کے اُس پار حُلوان میں مقیم تھا، مدائن کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے ایک زبردست لشکر بھیجا۔ مسلمان بھی اطلاع پاکر آگے بڑھے۔ چنانچہ مدائن سے شمال مشرق کی طرف جلُولا کے مقام پر فریقین میں جنگ ہوئی، جس میں یزدگرد کو سخت شکست ہوئی اور حلوان کو فتح کر کے نہایت استحکام کے ساتھ قلعہ بند کر دیا گیا۔ حلوان کی فتح کے بعد یزدگرد نے عربوں سے صلح کر لی، جس کی رُو سے ایرانی سلسلۂ کوہ کو عرب اور ایران کی سلطنتوں کے مابین حد قرار دیا گیا۔ خلیج فارس کے عین شمال سے لے کر مشرقی سلسلۂ کوہ تک کے تمام ملک میں کامل نظم و نسق اور امن و امان قائم ہو چکا تھا، اور اُبُلّہ کا بندرگاہ بھی مسلمانوں کے قبضے میں آچکا تھا۔ مسلمانوں نے اس تمام علاقے کو گویا دوبارہ زندہ کر دیا اور اس کے قدرتی مخازن اور وسائل کا بہترین استعمال کیا۔ بڑے بڑے زمینداروں پر ایرانی حکومت نے جو ٹیکس لگا رکھے تھے اُن پر نظرِ ثانی کر کے کم کر دیا گیا، آب پاشی کے لیے نہروں کا ایک وسیع سلسلہ قائم کیا گیا اور مزارعین کو کثیر رقمیں امداد کے طور پر دی گئیں۔ مُلکی کسانوں کی حفاظت کے خیال سے اراضی کا خریدنا ممنوع قرار دیا گیا۔ ایران کے بادشاہوں کے ذاتی املاک، شاہی شکارگاہیں،

سفرور شاہزادوں اور جاگیرداروں کی متروکہ جائدادیں، ایسے آتش کدوں کے تمام مملوکات جو وہاں سے چلے گئے تھے، سب نئی حکومت کے تصرف میں آگیا، اور اُن پر براہ راست مدینہ سے حاکم اور نگران مقرر ہوکر آنے لگے۔

یزدگرد بار بار کی شکست سے سخت برافروختہ تھا۔ اس کی فوج بھی عربوں سے تصادم کے لیے بے چین تھی۔ اہواز کے حاکم ہرمزان نے بار بار عرب آبادیوں پر حملے کیے۔ وہ ہر بار شکست اور ہزیمت کھاکر صلح جوئی پر مجبور ہوتا، اور پھر ہر بار نہایت بے شرمی کے ساتھ خود ہی عہد شکنی کرتا تھا۔ اُدھر خود یزدگرد نے بھی شمال میں پھر ایک نہایت جرار اور دہشت انگیز فوج جمع کرلی تھی۔ آخر ایرانیوں کی بار بار یورش سے تنگ آکر عراق عرب کے مسلمانوں نے خلیفہ کے پاس ایک وفد بھیج کر اجازت چاہی کہ وہ اپنی حدود سے آگے بڑھیں۔ حضرت عمرؓ کو اس میں بہت تامل ہوا کہ اپنے حکم میں کوئی تبدیلی کریں۔ مگر وفد نے بتایا کہ ایرانی برابر نقض عہد کر رہے ہیں اور مقررہ حدود سے آگے بڑھتے چلے آتے ہیں۔ اتفاق سے اسی اثناء میں ہرمزان بھی گرفتار ہوکر مدینہ پہنچا اور اسلام لے آیا تھا۔ اس نے اہل وفد کے بیانات کی تصدیق کی۔ مجبور ہوکر خلیفہ نے حکم دیا کہ "اپنے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے آگے بڑھیں اور اکاسرہ کا تمام ملک فتح کرکے قبضہ کرلیں"۔ ادھر ایرانی بھی اپنے عزیز شہنشاہ اور عزیز تر وطن کے لیے آخری بار جان توڑ کر لڑنے کا عہد کرچکے تھے۔ اس مرتبہ جو لشکر اس آخری قسمت آزمائی کے لیے یزدگرد کے لیے جمع ہوا تھا اس کے مقابلے میں اس سے قبل کی تمام جمعیتیں ہیچ ہوگئی تھیں۔ ایران کی تیاریوں کی خبریں سُن کر امیر المسلمینؓ نے بھی نہایت تیزی سے سرحد کی طرف کمک پر کمک روانہ کرنا شروع کی، اور سالار نُعمان کو، جو اس وقت ایرانی یورشوں کے مقابلے اور مدافعت میں مصروف تھے، سپاہ سالار بناکر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ کوہ البرز کے دامن میں نہاوند کے مقام پر ایک خونین جنگ ہوی، جس نے تمام ایشیا کی قسمت کا فیصلہ کردیا۔ اس میں

مسلمانوں کو جو فتح ہوی اسے فتح الفتوح کہتے ہیں۔ ایرانیوں کی تعداد عربوں کے مقابلے میں چھ گنی تھی، مگر وہ نہایت المناک شکست کھا کر سراسیمہ ہو کر میدان سے بھاگے۔ یزدگرد بھی جان بچانے کے لیے روپوش ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگتا پھرا، اور آخر کار دو چار برس کے اندر ہی ترکستانی سرحد کے ایک قصبے میں دارا کی طرح اپنے ہی ایک آدمی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ یوں ایران کی عظمت کا خاتمہ ہوا۔ وہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا، اور اُسے پھر ایک نئی زندگی نصیب ہوی۔

جیسا کہ عراق کی فتح کے بعد کیا گیا تھا، اب بھی زمینداروں اور کسانوں کو مستحکم رکھنے کے لیے فوراً تدبیریں کی گئیں۔ کسانوں کو بڑے بڑے جاگیرداروں کے ظلم و تعدّی سے نجات دلائی گئی۔ ان کی اراضی کا دوبارہ بندوبست کر کے ایک پایدار نظام قائم کیا گیا۔ آب رسانی کے شکستہ ذخیروں اور نہروں کو دوبارہ جاری کیا گیا اور نئے ذخیرے بنائے گئے۔ دہقانوں کے پاس ان کی جائدادیں بحال رہ گئیں، البتہ ان کو ایک مقررہ رقم بطور ٹیکس کے دینی پڑی۔ ہر شخص کو پورے اور مطلق طور پر ضمیر کی آزادی دی گئی اور مسلمانوں کو سخت تاکیدی احکام دیے گئے کہ وہ رعایا کے دین سے کوئی تعارض نہ کریں۔ جو لوگ اپنے پُرانے دین پر قائم رہے اُن کا نام ذِمّی رکھا گیا، یعنی یہ وہ لوگ تھے جن کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمّہ مسلمانوں نے لے لیا تھا۔ ایرانیوں کے لیے تبطیل مذہب کا اگر سبب تھا تو یہ کہ ذمی لوگ جو ٹیکس ادا کرتے تھے وہ مسلمانوں کے ٹیکس سے زیادہ تھا۔ مسلمان اپنی آمدنی کا عُشر یعنی دسواں حصہ ادا کرتے تھے مگر اُن کے لیے فوجی خدمت لازمی تھی؛ مگر ذمی فوجی خدمت سے بالکل مبرا اور آزاد تھے۔ زرتشتیوں پر مذہب تبدیل کرنے کے لیے مطلق کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ لیکن نئے حکم رانوں

کی خوش اسلوبی، خوش خُلقی اور ان کے حسن معاملت نے ایرانیوں کو ایسا گرویدہ کیا کہ وہ نہایت سُرعت سے اسلام میں داخل ہونے لگے۔ بہت جلد ہی وہ وقت آگیا کہ عرب اور ایرانی آپس میں ازدواج کرنے لگے اور عربوں نے ایرانیوں کو اپنے موالی، یعنی دوست یا برادر، بنالیا۔ اس کے علاوہ جن ایرانیوں نے قابل قدر خدمات کی تھیں اُن کے لیے حکومت کی جانب سے گران قدر وظائف مقرر ہو گئے۔ یہ سب کچھ تھا مگر ایران کے زرتشتی پروہت برابر ریشہ دوانیاں کرتے اور اپنے ہم مذہبوں کو عربوں کے خلاف برانگیختہ کرتے رہے۔ عربوں نے ضرورت اور حالت کے مطابق نرمی سے بھی کام لیا اور سختی بھی برتی، اور آخر میں عرب کے اطوار اور اسلام ایرانیوں پر اس طرح چھا گئے کہ عربی اور ایرانی قوم میں فرق کرنا مشکل ہو گیا، یہاں تک کہ عباسی خلفاء کے زمانے میں ایرانیوں کو مسلمانوں سے کسی قسم کا شکوہ باقی نہیں رہا۔

اِسلام کی برکات ایران کے لیے نہایت پایہ دار ثابت ہوئیں، اور وہ روز بروز زیادہ سے زیادہ آسودگی، دولت مندی اور آبرومندی کی طرف عروج کرتا رہا۔

صحبتِ گیتی کہ تمنا کند!
با کہ وفا کرد کہ باما کند!

———

باب ہفتم

عہدِ ساسانی کے کوائف

۱۔ بادشاہ اور دربار

ساسانی بادشاہ "شاہان شاہ" یعنی بادشاہوں کا بادشاہ کہلاتا تھا۔ اس کا تاج سونے کا ہوتا تھا، جس میں طرح طرح کے بیش بہا جواہر لگے ہوتے تھے، اور اس قدر چمکتے تھے کہ نگاہ خیرہ ہوتی تھی اور اس پر ٹھہر نہیں سکتی تھی۔ اس کے پاجامے پر نہایت خوشنما زرین کام ہوتا تھا۔ تاج کی شکل و صورت زمانے اور بادشاہ کے مذاق کے ساتھ بدلتی رہی۔ مثلاً اردشیر اول (۲۲۶ ق م) نے شروع میں تو پرانا ارساسی تاج استعمال کیا، مگر بعد میں اس کے اوپر ایک غبارہ نما قبہ بڑھا دیا گیا تھا، جس سے شاید یہ مراد تھی کہ وہ تمام کرۂ زمین کا بادشاہ تھا۔ شاپور اول (۲۴۰ء) کا تاج دندانہ دار تھا جس کے اوپر ایک کرہ بنا ہوا تھا؛ مگر شاپور دوم (۳۱۰ء) کے تاج میں وہ کرہ نما قبہ نہیں رہا، اور اس میں بڑے بڑے موتی تین قطاروں میں جڑے ہوئے تھے۔ بہرام گور (۴۲۰ء) اور یزدگرد دوم (۴۳۸ء) میں وہ قبہ بالکل گردی گول ہوگیا تھا اور تاج کے اوپر ایک ڈنڈی سے جڑا ہوتا تھا، اور اس کے نیچے ایک دوشاخہ چاند ہوتا تھا جس میں وہ کرہ سماتا تھا۔ ممکن ہے کہ اس چاند کی طرح وہ کرہ سورج کی نشانی ہو۔ بہرام چہارم (۳۸۴ء) کے تاج میں سامنے کی طرف ایک ہلال بھی لگ گیا تھا، پھر خسرو اول (۵۳۱ء) نے اس پر ایک ستارے کا بھی اضافہ کیا تھا۔ کواذ (۴۸۸ء) کے بعد سے وہ کرہ چھوٹا ہوتے ہوتے بالکل ہلال کی شاخوں کے اندر سمانے لگا تھا، تاآں کہ خسرو دوم (۵۹۰ء) کے زمانے

میں اس کی جگہ ایک ستارہ نے لے لی تھی۔ ان کا قاعدہ تھا کہ وہ مرتے دم ہر بادشاہ کی تصویر بنا لیتے تھے جس میں اس کے خد و خال اور لباس کی پوری تفصیل ہوتی تھی، اور وہ شاہی خزانے میں داخل کر دی جاتی تھی۔ عرب مؤرخ مسعودی نے اصطخر میں ایک پوری بیاض کا دیکھنا بیان کیا ہے جس میں ساسانی بادشاہوں کی تصویریں تھیں۔ افسوس کہ وہ ذخیرہ اب ناپید ہے۔

ادب شاہی یہ تھا کہ بادشاہ ایک پردے کے پیچھے بیٹھتا تھا، جو تخت سے دس بالشت کے فاصلے پر تنا رہتا تھا۔ وہ عمائدِ سلطنت جن کی حیثیت باریابی کی ہوتی تھی اس پردے سے دس بالشت اِدھر رہتے تھے۔ بادشاہ پردے کے پیچھے ہی سے بات کرتا تھا۔ اس پردے کی نگرانی اور برجائی کا اہتمام ایک باوقار شہسوار کے فرزند کے سپرد ہوتا تھا جسے خُرّم باش کہتے تھے۔ جب بادشاہ اپنے کسی منظورِ نظر کو باریابی کی عزت بخشتا تھا تو خرم باش کے ایماء سے ایک خادمِ دربار محل کی چھت پر جا کر بلند آواز سے پکار دیتا تھا کہ "ادب سے بات چیت کرو، کہ اب تم بادشاہ کے حضور میں ہو۔" ضیافت اور جشن کے موقعے پر بھی یہی رسم ادا ہوتی تھی۔ تمام اہلِ دربار اپنی اپنی حیثیت اور درجے کے موافق صف بہ صف خاموش کھڑے رہتے تھے اور خرم باش کے حکم سے کوئی شخص کوئی راگ گاتا تھا۔ شاہی دربار میں مغنّیوں کی بڑی منزلت تھی۔ وہ لوگ ہر جشن کے موقعے پر موجود ہوتے تھے اور اکثر شکار میں بھی بادشاہ کے ہمراہ رہتے تھے۔ خسرو دوم کا مغنّی 'باربد' جو فارسی ادبیات میں نہایت معروف ہے۔ ظاہر ہے کہ مغنّیوں کے سبب سے دربار میں موسیقی کے طرح طرح کے ساز مستعمل تھے۔ تاہم ہخامنشی دور سے آخر تک ایران کے بادشاہوں کے شوق کی مصروفیت شکار تھا؛ شکار کے لیے وسیع و فراخ راغ یا مرغ زار بنائے جاتے تھے جس کے گرداگرد ایک دیوار ہوتی تھی، اور اس میں ہرن، گورخر، شترمرغ، مور، چکور،

شیر اور ببر ہوتے تھے۔

بغداد سے جنوب مغرب کی طرف دریائے دجلہ کے کنارے پر ساسانی پایۂ تخت مدائن[1] کے کھنڈروں میں ایک بہت بڑی عمارت کے کھنڈر ہیں، جو قریباً ۵۵۰ء میں بنی تھی' اور طاق کسریٰ کے نام سے موسوم تھے۔ تباہی و بربادی کے بعد بھی یہ عمارت ایسی عالی شان ہی کہ اب بھی سیاح اسے دیکھ کر رعب سے دم بخود رہ جاتا ہی۔ اسی محل میں بادشاہ دربار کرتا تھا۔ اس کے سب سے بڑے کمرے کے آخر میں وہ مرصع بہ جواہر تخت شاہی ہوتا تھا جس پر بادشاہ گویا[2] تاج پہنے بیٹھتا تھا۔ تخت و تاج کے جواہر کی جوت سے آنکھیں چوندھیاتی تھیں۔ پھر بادشاہ کا جلال' اور دست بستہ خاموش درباریوں کی صفیں' سب مل کر ایسا نظارہ ہوتا تھا کہ جو شخص پہلی ہی مرتبہ باریاب ہوتا تھا وہ ایسا مرعوب ہوتا تھا کہ پردہ اُٹھتے ہی بے اختیار سجدے میں گر جاتا تھا۔ بیرونی بادشاہوں کے سفیروں کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی' اور اس کے استقبال کے لیے بڑے بڑے امراء مقرر کیے جاتے تھے اور سرحد سے ہی اُسے ہمراہ لاتے تھے۔ امراء کا یہ کام بھی تھا کہ جب تک سفیر ایران میں رہے اُسے (جیسا کہ آج کل

---

[1] مدائن عربی لفظ ہی اور مدینہ (شہر) کی جمع کی صورت ہی۔ مختصر طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ شہر دجلہ کے دونوں طرف آباد تھا۔ مغربی حصے کا اصلی نام سلوسیا تھا اور شرقی کا تیسفون۔ سلوسیا کو سکندر اعظم کے سپہ سالار سلیوکوس کی اولاد میں سے ایک شخص نے بنایا تھا' اور تیسفون ایرانیوں کا بسایا ہوا تھا۔ عربوں نے ان دونوں شہروں کا مجموعی نام مدائن رکھ دیا۔ عرب جغرافیہ نویس یاقوت حموی کا بیان ہی (معجم البلدان) کہ ایک روایت کے مطابق یہ سات شہر تھے جو قریب قریب آباد تھے' اور ان سب کو عربوں نے یکجا طور پر مدائن کا نام دے دیا تھا۔ [2] گویا اس لیے کہا کہ وہ تاج اس قدر وزنی ہوتا تھا کہ پہنا نہیں جا سکتا تھا' بلکہ تخت کی چھت سے ایک طلائی زنجیر سے اس خوبی سے آویزاں رہتا تھا کہ جب بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو وہ عین اس کے سر پر رہتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ تاج پہنے بیٹھا ہی۔

ہندوستان میں انگریزوں کا رویّہ ہی) اس طرح مشغول رکھیں کہ وہ ملک کی اصلی حالت بالکل معلوم نہ کر سکے، یہاں تک کہ اُسے راستوں کا بھی اندازہ نہ ہو۔

سلطنت کے اہم امور اور معاملات میں بادشاہ اپنے امراء، وزراء سے مشورہ کرتا تھا، اور بڑے بڑے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے بادشاہ خود باہر نکل کر اجلاس کرتا تھا، اور ایسے موقعوں پر امراء اور مذہبی مقتدا بھی حاضر رہتے تھے، اور رعایا کو عام اجازت ہوتی تھی کہ وہ دُور سے بادشاہ کا درشن کر لیں۔ سلطنت کی خدمات، بہادری اور دیگر کارہائے نمایاں کے صلے میں لوگوں کو جاگیر، انعام، خطاب اور خلعت سے سرفراز کیا جاتا تھا۔ مصارفِ جنگ کے علاوہ خزانۂ شاہی داد و دہش میں خرچ ہوتا تھا۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھا جاتا تھا کہ خزانہ معمور رہے۔ علاوہ محاصل ملک اور دیگر آمدنیوں کے خزانوں کو امداد غیبی ملتی رہتی تھی؛ مثلاً جب رومی بادشاہ کو قسطنطنیہ کا اندیشہ پڑا تھا تو اُس نے اپنے یہاں کی تمام مال و دولت چند جہازوں پر بار کرا کے کسی محفوظ مقام کو بھیج دیا تھا۔ اتفاق سے ہوا کچھ ایسی مخالف چلی کہ یہ جہاز مصر کے ساحل پر جا لگے اور شہر براز نے ان پر قبضہ کر لیا۔ یہی خزانہ "گنجِ بادآورد" کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ ایک کسان کہیں زمین جوت رہا تھا۔ اس کو بہت بڑا دفینہ ملا، اور اس نے اپنے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ خزانہ "گنجِ گاؤ" کہلایا۔ کہتے ہیں کہ یہ سکندرِ اعظم کا خزانہ تھا۔

۲- فوج

فوجِ شاہی کا کچھ اندازہ اُن فتوحات سے ہو چکا ہوگا جو ایرانیوں نے رومیوں وغیرہ پر حاصل کیں۔ لیکن اس کا کچھ مجمل حال خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

ایرانی فوج کا بہترین حصہ سواروں کا تھا۔ ان کی اکثر کامیابیاں اسی حصۂ فوج

کی احسان مند ہیں. اس میں زیادہ تر اُمرا، رُؤسا، جاگیردار ہوتے تھے. جنگ میں سب سے آگے یہی لوگ ہوتے تھے. یہ سوار گھٹنوں تک زرہیں پہنے ہوتے تھے اور اس کے ساتھ چار آئینہ، بکتر، طوق لگائے رہتے تھے. ان ہی چیزوں سے ان کا چہرہ تک چھپا رہتا تھا. سر پر خود ہوتا تھا. داہنے ہاتھ میں نیزہ اور گھوڑے کی باگ تھی، بائیں میں ڈھال، شانے پر کمان، پہلو میں ترکش. گھوڑے کے اوپر سر سے دُم تک جھلم ہوتا تھا.

بعض عمارات پر جو ایرانی سپاہیوں کی تصویریں ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہی کہ اُن کی تلواریں سیدھی ہوتی تھیں. پیٹی میں ایک طرف گُرز ہوتا تھا، دوسری طرف تبر خود کے نیچے دو رسیاں رہتی تھیں جو کمند کہلاتی تھیں. اُن ہی کو دشمن پر پھینک کر اُس کو کھینچ جا سکتا تھا.

سواروں کے بعد ایرانی فوج کا بڑا طاقتور حصہ تیر اندازوں کا تھا. یہ لوگ بڑے نشانہ باز ہوتے تھے اور ایسے قادر انداز کہ ان سے مخالفین لرزہ بر اندام رہتے تھے. ایرانیوں کی ایک اور فوج "جان افشار" کہلاتی تھی. اس میں ہمہ وقت دس ہزار وہ لوگ رہتے تھے جنھوں نے اپنی جان کو کبھی جان ہی نہیں سمجھا. یہ سپاہی غالباً اجیر ہوتے تھے.

ایران کی پیادہ فوج کبھی کام کی نہیں ہوی. ان کو تنخواہ تو ملتی نہ تھی، لُوٹ پر اُن کا گزارہ تھا. ان ہی پر یہ مثل صادق آتی ہی کہ "مارنے والوں کے پیچھے اور بھاگنے والوں کے آگے."

جنگ کے موقعے پر رسالہ سب سے آگے ہوتا تھا اور اس کے مدد پر کمکی فوج رہتی تھی. اس میں زیادہ تر والیان ملک، اور شاہزادے اور اسی قبیل کے بڑے آدمی ہوتے تھے. فوج کے آخر میں ہاتھیوں کی قطار ہوتی تھی. ہودوں میں سپاہی

ہوتے تھے اور ان ہی پر سپاہ کے نشان . رومیوں کی اس حصۂ فوج سے جسان نکلتی تھی۔

سب سے بڑا اور متبرک نشان تو درفش کادیانی تھا۔ رفتہ رفتہ یہ درفش ۲۲ فیٹ لمبا اور پندرہ فیٹ چوڑا ہو گیا تھا۔ جس لکڑی میں یہ لگا ہوا تھا وہ مرصع بہ جواہر تھی۔ قادسیہ کی لڑائی میں درفش کادیانی مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور توڑ دیا گیا۔ اب اس کا نام و نشان بھی موجود نہیں ہی۔ اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے نشان اور تھے۔ اُن پر چلیپا کی شکل کا کپڑا چسپاں ہوتا تھا۔ اس چلیپا کے اوپر تین، اور نیچے دو گولے بنے ہوتے تھے۔

فوج کے لیے سامان خورد و نوش ہر وقت جمع رہتا تھا؛ اسلحہ خانے تھے، جہاں ایام امن میں ہر قسم کے اسلحہ تیار رکھے رہتے تھے۔ یہ مقامات "انبار" کہلاتے تھے۔ چنانچہ فرات کے کنارے ایک مقام اسی نام سے موسوم تھا، جو بغداد کی تیاری سے پہلے چند روز کے لیے عباسیوں کا دارالسلطنت رہ چکا تھا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے جو قریب ترین چشمہ یا نہر وغیرہ پڑتی تھی، پہلے اُسے کوئی متبرک پانی ڈال کر پاک کر لیا جاتا تھا۔ پھر دشمنوں کے سامنے دو شرطیں پیش کی جاتی تھیں کہ یا تو وہ یہ دین قبول کر لیں، ورنہ ہتھیار ڈال دیں۔ اگر دونوں منظور نہ ہوتیں تو کہا جاتا تھا کہ ایک مرد کے مقابلے میں ایک مرد نبرد آزما ہو۔ اس کے بعد سپہ سالار تمام فوج کے سامنے دل بڑھانے اور ملک و ملت کے لیے بہادری دکھلانے کے لیے تقریر کرتا تھا۔ جب یہ سب کچھ ہو چکتا تھا تو "قرنا" پھونکا جاتا تھا۔ لڑائی یوں شروع ہوتی تھی کہ پہلے ایک عصا کمان میں رکھ کر دشمن کی طرف پھینکی جاتی تھی۔

اپنے سپاہیوں کے مقتولوں کا حساب اس طرح لگایا جاتا تھا کہ لڑائی سے پہلے

سپاہ سالار ایک مقام پر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک ایک سپاہی اس کے سامنے سے گزرتا تھا اور ایک خاص مقام پر ایک تیر مارتا جاتا تھا۔ جب لڑائی ختم ہوتی تھی تو ہر سپاہی پھر سپہ سالار کے سامنے سے گزرتا تھا اور ایک تیر اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ جتنے تیر بچتے اس سے اموات کا اندازہ لگا لیا جاتا۔

جب بادشاہ وقت خود میدان جنگ میں ہوتا تھا تو قلب فوج میں اُس کے لیے ایک پُر تکلف خیمہ لگایا جاتا تھا اور وہیں اُس کا تخت ہوتا تھا۔ اسی پر بیٹھ کر جنگ کا تماشا دیکھتا تھا اور احکام دیتا تھا۔ اس کے گرد اُس کے محافظین تن ہوتے تھے؛ دوسرا حلقہ جان نثاروں کا ہوتا تھا، تیسرا تیر اندازوں کا۔ سوائے شاپور کے کوئی بادشاہ خود جنگ میں بہ حیثیت سپاہی کے شریک نہ ہوتا تھا۔ اگر بادشاہ موجود نہ ہوتا تھا تو اُس کی جگہ سپہ سالار اعظم تخت پر بیٹھتا تھا۔ اُس کی حفاظت بھی اُسی طرح کی جاتی تھی جیسی بادشاہ کی۔

ایرانیوں کو محاصرہ کرنا خوب آتا تھا۔ ساسانی منجنیق کو استعمال کر سکتے تھے۔ لکڑی کے برجوں سے کام لیتے تھے۔ کمند تو خاص اُن ہی کی ایجاد تھی۔ پگھلا ہوا سیسہ اور جلتی ہوئی چیزیں دشمنوں پر پھینکتے تھے۔

۳۔ معاشرت

ملک کی آبادی چار قسموں میں منقسم تھی: پیشوایانِ دین، سپاہی، محرر و عمال، کسان اور کاریگر۔ ان میں سے پھر ہر ایک کی جدا جدا تقسیم تھی۔ مثلاً پیشوایانِ دین کے ایک گروہ میں سے دیوانی، فوجداری اور مال کے حکام ہوتے تھے، اور دوسرا گروہ صرف پروہت کے فرائض ادا کرتا تھا۔ عمال اور محررین کے گروہ میں عمائدِ سلطنت کے علاوہ سرکاری دفاتر میں کام کرنے والے، طبیب، شاعر اور منجم بھی شامل تھے۔

ہر گردہ کا ایک چودھری ہوتا تھا' اور اس کے ماتحت اور عمال ہوتے تھے۔
پیشوایانِ دین عموماً آذربائیجان کے قبیلۂ مجوس سے ہوتے تھے' اور موبد (مُغ پَت' مُغ بَد) کہلاتے تھے۔ سب سے بڑے موبد کو خود بادشاہ مقرر کرتا تھا۔ دینی امور میں اُس کا فتویٰ ناطق ہوتا تھا۔ اس کی بڑی عزت اور قدر و منزلت تھی، یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی اس کا ادب ملحوظ رکھتا تھا۔ یہ موبد اپنے ماتحت موبدوں کا انتخاب کرتا تھا' اور ان کا عزل ولقب بھی اسی کے اختیار میں تھا۔ ان پر عام قانونِ ملک حاوی نہ ہوتا تھا۔
سب سے چھوٹے درجے کے پروہت مُغ کہلاتے تھے، اور پھر علی الترتیب' ہیربد (نگرانِ آتش کدہ) اور موبد۔ موبدوں کے ہم رُتبہ زُوت کہلاتے تھے' اور ان کا کام درد وظائف پڑھنا پڑھانا تھا۔ اسی درجے میں راسپی ہوتے تھے' جن کا کام یہ تھا کہ آتش کدے کی آنچ ایک خاص درجے سے کم و بیش نہ ہونے پائے۔ ان سب سے بالاتر مرتبے کے دو آدمی ہوتے تھے' ایک ہیربدان ہیربد یعنی قاضی القضات' اور دوسرا موبدان موبد یا مقتدائے اعظم۔
یوں ہونے کو تو ہر گھر' گاؤں' قصبے اور شہر میں کم از کم ایک آتش کدہ ضرور ہوتا تھا' مگر سلطنت بھر میں تین آتش کدے بہت بڑے تھے۔ ایک آذر فَرنْبَغ کہلاتا تھا' اور صوبۂ فارس کے مقام کاریان کے پروہتوں کے لیے مخصوص تھا؛ دوسرا آذر گُشتاسپ (یعنی آتش سپاہ یا آتش شاہ) صوبہ آذربائیجان کے مقام گنجک میں تھا؛ اور تیسرا بُرزین مہر (یعنی آتش کشاورزان) خراسان میں کوہ اَوَنْد پر تھا۔ ان آتش کدوں میں بادشاہ لاکھوں رُپے کی نذریں زر و جواہر کی شکل میں دیتے تھے، اور اُن کے لیے معافیاں الگ تھیں۔ پروہتوں کا کام یہ تھا کہ آتش کدوں کی آگ نہ بجھنے دیں، انھیں صاف رکھیں، ہوما[1] بنائیں، نمازیں اور درد وظائف

---

[1] یہ ایک بوٹی کا عرق ہوتا تھا' جو نہایت متبرک سمجھی جاتی تھی اور جسے پروہت پیتے تھے۔

پڑھیں اور پڑھائیں؛ اور روٹی، گوشت اور خورد و نوش کی دوسری نذر کی ہوی چیزیں انھیں تقسیم کریں: یہی لوگ پیدائش اور موت کے موقعوں پر، کُستی (یعنی زُنار جسے زرتشتی لوگ کمر میں باندھتے ہیں) باندھنے کے وقت، شادی بیاہ کی تقریبوں پر، دینی تیوہاروں وغیرہ کے متعلق تمام دینی رسوم ادا کراتے تھے۔ وہی دینی قضایا اور معاملات بھی فیصل کرتے تھے اور معلم بھی ہوتے تھے۔

اصل یہ ہی کہ ساسانیوں کے زمانے میں مذہب کا بہت زور تھا۔ چوں کہ بات بات پر مسائل دریافت کیے اور فتوے لیے جاتے تھے، اس لیے پیشوایان دین کا بڑا رعب تھا۔ یہ لوگ دینی امور اور معاملات میں نہایت تنگ نظر، سخت گیر، بلکہ مذہبی دیوانے ہوتے تھے۔ یہ بتانے کی تو چنداں ضرورت نہیں ہی کہ ایران بہ دین (یعنی دین زرتشتی) کا پابند تھا۔ مانی اور مزدک اور ان کی اصلاحوں اور بدعتوں کا حال ابھی اُوپر بیان ہو چکا ہی۔ پیشوایان دین کے بعد جو لوگ بڑے درجے کے ہوتے تھے، ان کے عہدوں کے نام اور کام یہ ہوتے تھے:۔

۱۔ ہزار بِت (یعنی یک ہزاری): سلطنت کا وزیر اعظم ہوتا تھا، اور ہر مہم سلطنت اسی کے مشورے سے انجام پاتی تھی۔

۲۔ شَتْرْدار: یہ لوگ شاہی خاندان کے افراد ہوتے تھے۔ کہنے کو تو وہ محض صوبے دار یا وائسرائے ہوتے تھے مگر درحقیقت شہنشاہ ایران کی طرف سے کسی صوبے یا ملک کے با اختیار بادشاہ ہوتے تھے۔ ان کو حکومت سکھلانے کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ ان میں سے اکثر نے بغاوتیں کی ہیں اور سلطنت کو بڑی تکلیف اور دقّت کا سامنا کرنا پڑا ہی۔

۳۔ مَرزبان: یہ لوگ شتر داروں سے درجہ و رتبہ میں کچھ ہی کم سمجھے جاتے تھے۔ ان کا کام راستوں اور سڑکوں کی محافظت تھا۔

۴۔ وِسْپُہر: یہ ایران کے معزز خاندانوں میں سے گنے جاتے تھے۔ ان میں سے تین

یعنی کارن، سُوان اور اسپہبد، اشکانیوں کی اولاد تھے۔

۵۔ سپندیار اور مہران بھی اپنے آپ کو اشکانیوں ہی کی اولاد بتاتے تھے۔ یہ ابًا عن جدٍ بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز چلے آتے تھے۔ ان ہی میں سے اَرگُبَد تھے جو اپنی خاندانی وقعت اور ساسانیوں کے پیش رو بادشاہوں کی اولاد ہونے کے لحاظ سے یہ رتبہ رکھتے تھے کہ بادشاہ کے سر پر تاج رکھا کرتے تھے۔ زمانۂ مابعد میں جب پیشوایانِ دین کا زور ہوا تو یہ کام اُن کا ہوگیا۔

۶۔ ایران سپہبد: سپاہ سالار اعظم مملکت ایران ہوتا تھا۔

۷۔ اسپہبد: گھوڑ سوار فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا۔

۸۔ ایرانمبر گبد: رسد رسانی کا منتظم اعلیٰ ہوتا تھا۔

حاکم محکمۂ دیوانی، سررشتہ، محصّل، خزینہ دار الگ ہوتے تھے، جن کو محکمۂ فوج سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ ان کی جاگیریں تھیں، تنخواہ نہیں پاتے تھے۔

۹۔ وزرگ: عمائد سلطنت اور آزات، اُمرا کو کہتے تھے۔ یہ لوگ ہر بادشاہ کی تاج پوشی کے موقعے پر حاضر رہتے تھے۔ یہ اس درجے کے لوگ تھے کہ کسی بادشاہ کو معزول یا قتل کرنے کا حکم اخیر یہی دیتے تھے۔

تمام ملک چار مساوی حصوں، یا صوبوں میں تقسیم تھا۔ ان کے نام سمتوں کے نام پر تھے؛ جیسے اَوخْتر (شمال)، خوارسان (خراسان)، (مشرق)، نیم روز (جنوب) اور خوارورا ن (مغرب)۔ ہر صوبے دار کو دیوانی، فوجداری، مال اور فوج کے اختیارات کامل حاصل تھے۔ یہ بھی مرزبان ہی کہلاتے تھے۔ اگر ان میں سے کوئی شاہی خاندان کا ہوتا تو وہ شاہ کہا جاتا تھا۔ علاقۂ صرف خاص اور بعض اضلاع کے صوبے دار اوستن دار کہلاتے تھے۔

۱۰۔ ہر گاؤں میں ایک دہقان یعنی دہ کا سردار ہوتا تھا۔ اس کا کام لگان وصول کرنا تھا، جیسے ہندوستان میں نمبردار۔ یہ گاؤں ہی کا کوئی آدمی ہوتا تھا؛ فرق صرف اتنا تھا

کہ وہ لکھا پڑھا آدمی ہوتا تھا۔

شرفائیا شہری لوگ ہی سلطنت کے عہدے دار ہوتے تھے۔ یہ لوگ عموماً خوش پوش، خوش نوش اور خوش باش ہوتے تھے؛ اچھے گھوڑے اور اچھے ہتھیار رکھتے تھے، اپنا وقت سیر و تفریح میں گذارتے تھے اور گویا مفت کا کھاتے تھے۔ عوام الناس یا دیہاتیوں، اور شریفوں کے درمیان بڑی سختی سے امتیاز قائم رکھا جاتا تھا۔ ہوتے ہوتے یہ فرق و امتیاز اس قدر ناقابلِ برداشت ہوگیا تھا کہ ایران میں مسلمانوں کی کامیابی کا ایک بڑا سبب شرفاء کا غرور و تجبّر اور عوام کی مصیبت و ذلت بھی تھا۔ اگر عوام میں سے کوئی کبھی سلطنت کی بہت بڑی خدمت کرتا یا بڑا کار نمایاں کرکے دکھاتا تو اُسے شرفاء میں داخل کرلیا جاتا تھا۔ مگر اس کے لیے سخت سے سخت جد وجہد کرنی پڑتی تھی اور پیشوایانِ مذہب کی سفارش کی ضرورت ہوتی تھی، جو اس تنگ دل فرقے سے بڑی مشکل سے ملتی تھی۔ اس پر بھی ایسے لوگ کئی کئی نسل تک حقارت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔

شرفاء و عمائد کی عورتیں تعلیم یافتہ ہوتی تھیں۔ اکثر ایسی تھیں جن کو معاملاتِ سلطنت میں بھی دخل ہوتا تھا۔ یہ عام طور پر ریشمین لباس میں ملبوس رہتی تھیں۔ اس فرقے میں پردے کا سختی کے ساتھ رواج تھا۔ متعدد بیویاں رکھنے کا بھی رواج تھا اور اُن کے علاوہ اسیرانِ جنگ میں سے کنیزکیں بھی رکھی جاتی تھیں۔ بیویوں کی عزت زیادہ ہوتی تھی اور کنیزکوں کی کم۔ بیوی ہو یا کنیزک ان کو شوہروں کا تابع فرمان رہنا پڑتا تھا۔ عام طور پر نسبتیں بچپن میں قرار پا جاتی تھیں، اور بلوغ سے پہلے یا بعد شادیاں ہوجاتی تھیں۔ قریب قریب رشتوں میں شادیاں کرنا زیادہ اچھا سمجھا جاتا تھا؛ یہاں تک کہ حقیقی بھائی اور بہن کی شادی جائز اور اچھی سمجھی جاتی تھی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیویوں کی پانچ صورتیں تھیں:۔

(۱) پذشاہ زن (بیاہتا بیوی)۔ وہ بیوی کہلاتی تھی جو والدین کی رضامندی اور اجازت سے بیاہی گئی ہو۔ اس کی اولاد کی زیادہ قدر ہوتی تھی۔

(۲) اوگ زن، یعنی وہ بیوی جو اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہو۔ اس کی پہلی اولاد اس کے بدلے میں اس کے والدین کو دے دی جاتی تھی۔ اس کے بعد اُس کی وہی عزت اور وہی حقوق ہو جاتے تھے جو پذشاہ زن کے ہوتے تھے۔

(۳) سذرزن (اجنبی بیوی) اگر کوئی جوان آدمی بن بیاہا مر جائے اور اُس کے خاندان والے مرنے والے کا اسباب شادی کسی اجنبی عورت کو دے کر اس کی کسی اجنبی سے شادی کر دیں تو وہ اس نام سے پکاری جاتی تھی۔ اس کی آدھی اولاد عاقبت میں متوفی کی سمجھی جاتی تھی اور آدھی موجودہ شوہر کی

(۴) چغرزن (نوکر بیوی)، کوئی بیوہ اگر دوسری شادی کر لے تو چغرزن کہلاتی تھی۔ اگر پہلے شوہر سے اُس کی اولاد ہوتی تھی تو وہ "مُنہ بولی بیوی" کہی جاتی تھی۔ دوسرے شوہر سے جو اولاد ہوتی تھی وہ دونوں شوہروں میں آدھی آدھی تقسیم ہو جاتی تھی؛ اور یہ بیوی عاقبت میں پہلے ہی شوہر سے منسوب ہوتی تھی۔

(۵) خودسرائے زن (اپنا گھر خود بنانے والی بیوی) جو بیوی بغیر والدین کی مرضی و اجازت کے شادی کر لے وہ اس نام سے پکاری جاتی تھی۔ یہ اس وقت تک اچھی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی تھی جب تک کہ اس کا پہلا بیٹا جوان نہ ہو جائے۔ صرف اس صورت میں ایسی بیوی کو ماں باپ کا ترکہ مل سکتا تھا کہ یہ سپوتی کا بیٹا اپنی ماں کو اپنے باپ کی بیاہتا بیوی مان لے۔

ایک صورت یہ بھی تھی کہ کچھ مال دے کر بیوی خریدی جاتی تھی۔ اگر وہ نکمی، بالخصوص بانجھ نکلتی تھی تو وہ ماں باپ کو لوٹا دی جاتی تھی اور اس کی قیمت واپس لے لی جاتی تھی۔

اولاد، بالخصوص بیٹے کے پیدا ہونے کی بڑی خوشی منائی جاتی تھی۔ اُس کے نام رکھنے میں یہ احتیاط کی جاتی تھی کہ کسی بُت، یا بُت پرست کا نام نہ رکھا جائے۔ سات برس کی عمر تک وہ ماں کی زیر تربیت و تعلیم رہتا تھا۔ اگر ماں مرجاتی تھی تو اُس کی پرورش و تربیت پھوپھی کے سپرد ہوتی تھی یا اُسی کی بہن کے۔

خاندان یا گھر کا نام باقی رکھنے کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ اگر کوئی جوان عورت یا مرد لاولد مرجاتا تھا تو بیوہ یا رنڈوے کی شادی بہت ہی قریب رشتے میں کر دی جاتی تھی۔ اس شادی کی جو اولاد ہوتی تھی وہ متوفیہ یا متوفی کی سمجھی جاتی تھی۔

کسی شخص کے لاولد رہ جانے کی صورت میں اُسے اجازت ہوتی تھی کہ وہ کسی کو اپنا متبنیٰ کرلے۔ اس کے لیے یہ شرطیں تھیں کہ اگر وہ شخص مرد ہو تو وہ عاقل و بالغ ہو، بہ دین کا پیرو ہو، اور اس سے کبھی کوئی قابلِ گرفت جُرم نہ ہوا ہو۔ اور اگر وہ عورت ہو تو لازم تھا کہ وہ پہلے ہی سے بیاہی ہوی نہ ہو، نہ اس وقت نکاح کا ارادہ رکھتی ہو، نہ کسی کی داشتہ ہو، نہ طوائف ہو، اور نہ پہلے سے کسی اور کی تبنیت میں ہو۔

۴ - کاروبارِ سلطنت

مختلف محکموں اور صیغوں کے کاروبار کی تفصیل گو معلوم نہیں ہے، لیکن یہ ضرور تحقیق ہے کہ قدیم الایام ہی سے حکومت کا تمام کاروبار دفتروں کے ذریعے ہوتا تھا جن کو دیوان کہتے تھے۔ جس قدر تفصیل کا بھی اس بارے میں علم ہے وہ یوں حاصل ہوا ہے کہ بعد میں عربوں کے عباسی خاندان نے اپنا دفتری نظام ساسانی طرز پر قائم کیا تھا۔

بادشاہ کے پاس کئی مہریں ہوتی تھیں، جو خفیہ کاروبار کے لیے، شاہی خطوط پر لگانے کے لیے، شاہی فیصلوں پر ثبت کرنے کے لیے، مالی اغراض کے لیے اور انعام، جاگیر، خطاب وغیرہ عطا کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ ان صیغوں کے علاوہ فوج، ڈاک،

سکّہ جات، ناپ اور تول، اور شاہی صرف خاص کے محکمے بھی تھے۔
ایک دربار میں سلطنت کی آمدنی کا حال بادشاہ کے حضور میں بیان کیا جاتا اور اس کا ایک تحریری گوشوارہ پیش کیا جاتا تھا، جس پر بادشاہ اپنی مُہر کر دیتا تھا۔ بادشاہ کو جو تحریری احکام صادر کرنے ہوتے تھے وہ اُسی کے سامنے قلمبند کیے جاتے تھے اور اُن پر مہر ہوتی تھی۔ ایک اہل کار اُسے ایک کتاب میں نقل کر لیتا تھا۔ اس کے بعد ضابطے کے احکام جاری کر دیے جاتے تھے۔ مگر یہ یاد رہے کہ ایران میں کاغذ نہیں ہوتا تھا، بلکہ چین سے لایا جاتا تھا۔

ڈاک کا انتظام سرکاری کاغذات یا اہل کاروں کے لیے ہوتا تھا؛ عوام الناس اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ ڈاک کے لیے چوکیاں مقرر تھیں، اور بہترین گھوڑے رکھے جاتے تھے۔ پہاڑی علاقوں میں ڈاک کو آدمی اِدھر سے اُدھر پہنچاتے تھے۔ عربستان کے علاقوں میں یہ کام اونٹوں سے لیا جاتا تھا۔
کل سلطنتِ ایران کی آمدنی کا اندازہ ساٹھ کروڑ درم (یا بیالیس کروڑ مثقال چاندی) لگایا گیا ہے۔ آمدنی کے بڑے ذرائع دو تھے: ایک خَراگ[1]، جو عربوں کی زبان پر پہنچ کر "خراج" بن گیا تھا، اور دوسرا گزیت، جسے عربوں نے "جزیہ" کر دیا تھا۔
خراگ ہر فصل پر پیداوار دیکھ کر تشخیص ہوتا تھا؛ اور اس میں ایسی سختی کی جاتی تھی کہ جب تک مشخص خراگ نہ آ جائے کوئی کسان اپنی پیداوار کو ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ پیداوار کی تشخیص پانچویں چھٹے حصے سے زیادہ نہیں بڑھنے پاتی تھی۔ اس میں بڑی بد دیانتی ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر خسرو نوشیروان نے ہر جنس پر الگ الگ خراگ مقرر کر دیا، اور بہت سی رعایتیں کسانوں کو دیں۔ اُس کے عادل مشہور ہونے کا ایک

---

[1] یہ آرمینیا کی زبان کا لفظ تھا۔

یہ باعث بھی ہے؛ گو بہرام گور نے بھی اکثر محاصل میں کمی کر دی تھی، بلکہ بعض معاف بھی کر دیے تھے۔ ایک مرتبہ ایران میں قحط پڑا تھا تو فیروز نے بالکل خراگ معاف کر دیا تھا۔ خراگ کے وصول کرنے میں بڑی سختی کی جاتی تھی، اور رعایا اس سے بہت تنگ تھی؛ اگرچہ اس کا اکثر حصہ کسی نہ کسی صورت میں رعایا کے پاس واپس چلا جاتا تھا۔

گزیت صرف غیر زمین داروں سے وصول کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ بیشتر عیسائی اور یہودی ہوتے تھے۔ ان کے عوض میں یہ لوگ فوجی خدمات سے بری رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ شاپور ثانی کو رومیوں سے لڑنے کے لیے رُوپے کی ضرورت ہوی تو اُس نے اپنے عُمّال کو حکم دیا کہ عیسائیوں سے دوگنا گزیت وصول کر کے بھیجو اور اس میں سختی کرو؛ کیوں کہ یہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوے چین کرتے ہیں اور موٹے ہوے جاتے ہیں؛ اور غریب ایرانی ہیں کہ میدان جنگ کی سختیاں جھیلتے اور اپنے سر کٹاتے ہیں۔ نوشیروان نے گزیت کی شرح میں بھی کمی کر دی تھی۔

ان دو محاصل کے علاوہ ہر بہار اور خزاں کے موسم، نوروز اور مہرگان میں، بہ جبر ایک اور محصول، بہ نام آئین وصول کیا جاتا تھا۔ جس سختی کے ساتھ آئین کی وصولی ہوتی تھی اُس سے لوگ زیادہ نالاں تھے۔

عدل و انصاف کی یہ صورت تھی کہ امراء و عمائد کے مقدمات عدالت میں نہ جاتے تھے، بلکہ پنچایت میں اُن کا فیصلہ ہوتا تھا۔

عام طور پر ایرانی امن پسند ہوتے تھے، اور عدالت میں جانے اور قانون کے جھگڑوں میں پڑنے سے بہت ڈرتے تھے۔ حکام عدالت بیشتر پیشوایانِ مذہبی میں سے انتخاب کیے جاتے تھے۔ جرائم کی تین قسمیں تھیں: ۱ جرائم خلافِ احکامِ الٰہی، یعنی مرتد ہونا وغیرہ۔ ۲ جرائم خلاف بادشاہ وقت، یعنی بغاوت، غداری، میدانِ جنگ سے بھاگنا

وغیرہ، اور جرائم خلاف ہمسایہ و دیگر رعایا۔ پہلے دو جرموں کی سزائیں بہت سخت، یعنی موت تھیں۔ مگر زمانۂ مابعد میں ان سزاؤں میں ترمیم کر کے ہلکی کر دی گئی تھیں۔ چوں کہ چوریاں بہت ہوتی تھیں اس لیے اس جرم کی سزا بھی سخت رکھی گئی تھی۔ شاہی خاندان کے جو افراد باغی ہوتے تھے اُن کی سزا بالعموم اندھا کر دینا تھا۔ بادشاہِ وقت حاکمِ اعلیٰ اور عدالتِ مرافعہ ہوتا تھا۔ وہ ہر نوروز اور مہرگان کو ایک بڑے میدان میں اجلاس کرتا تھا؛ عدالت بالکل کھلی ہوتی تھی، ہر شخص اُس وقت وہاں موجود رہ سکتا تھا؛ بلکہ احکام جاری ہو جاتے تھے کہ حکامِ ماتحت لوگوں کو ان موقعوں پر بادشاہ کے سامنے حاضر ہونے کی تشویق کریں۔

یزدگرد اول نے اس رسم میں کچھ تبدیلی کر دی تھی۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ بادشاہ تک جو مقدمہ پہنچ جاتا تھا اُس میں پورا انصاف ہوتا تھا۔

خاتمہ

یہ ہی ایرانِ باستان کی مختصر داستان۔ یہ تین ہزار برس کا پرانا ایران آج بھی زندہ سلامت ہے۔ ساسانیوں کے بعد اُس پر عربوں کا تسلط ہو گیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک نیا دین لائے، ایک نئی زبان لائے، ایک بالکل نیا نظریۂ حیات لائے۔ انھوں نے ایران کے سراپا ہی کو بدل دیا، اور اُس کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اسلام آج تک اس سرزمین کا سب سے زیادہ مقبول دین و مذہب ہے۔ مگر غائر بین نگاہیں اندازہ کر سکتی ہیں کہ گو ایران نے اسلام اور اُس کے تمام اثرات کو قبول کیا، اور بظاہر اپنا چولا بدل دیا، مگر اُس کی وہ اصلی آریائی روح اب تک جوں کی توں اس کے جسم میں باقی ہے، متحرک ہے، زندہ ہے۔ یونان،

یا بالفاظ دیگر یورپ کا ہمیشہ اس پر دانت رہا؛ مگر اس نے ہر بار اُس کے دانت کھٹے کر کر دیے۔ یہ صحیح ہی کہ سکندر مقدونی کو براہ راست ایران پر قدم جمانا نصیب ہوگیا تھا۔ مگر بقول شاعر

آپ کے روز جیا، کس لیے دارا مارا!

اس کی خیرہ اور بدنگاہ آنکھوں کا بند ہونا تھا کہ اس کے بظاہر مہذب مگر درحقیقت وحشی، اور یقیناً نیم وحشی اور غیر مہذب اولاد اور اس کے جانشین اپنے کیفر کردار کو پہنچے اور جلدہی ایران کی خاک کا رزق بن کر گرد باد کے ساتھ منتشر ہو کر مٹ گئے۔ ایران بلاشبہہ اس خصوص میں کُل براعظم ایشیا کا بہت بڑا مُحسن ہی کہ اس نے اہلِ یورپ کو مشرق میں قدم نہیں جمانے دیے۔ یہ بھی تسلیم کہ اِدھر تقریباً نصف صدی سے یورپ کو مشرق ادنیٰ میں بہت کچھ دخل فصل حاصل ہوگیا ہی۔ مگر اس میں بھی جو مسلسل بے اطمینانی اور تزلزل خود اُن کے آپس کی معاندت کی وجہ سے اُن کا حصہ ہی وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہی۔ ایران کی رُوح کی پایداری کا اندازہ کرنا ہو تو یہ یاد کرنا چاہیے کہ انیسویں صدی مسیحی کے اواخر سے بیسویں صدی کے ایک خمس (یعنی سنہ ۱۹۱۹ میں دُول یورپ کی پہلی جنگ عظیم کے خاتمے) تک ایران کس قدر بے بسی کے ساتھ یورپ کے خونخوار شیروں اور ریچھوں کے پنجوں میں پھنسا ہوا تھا، مگر بہ مصداق

خدا شری برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

وہی مصیبت اس کے احیاء کا باعث ہوگئی، اور وہ ایران جو دم توڑتا معلوم ہوتا تھا پھر زندہ ہوگیا۔

زندہ و پایندہ باد ایران!

ایرانِ پاستان کے

حکمران خاندانوں اور تاجداروں کی تواریخ

ا- قبل از تاریخ دَور

کیومرث — ہوشنگ — طہمورث — جمشید — ضحاک — فریدون — منوچہر نوذر — ناب — گرشاسپ۔

ب- خاندانِ ہخامنش

۱- کوروش اعظم .... ۵۵۸ تا ۵۲۸ قبل مسیح
۲- کمبوجیا اور بردیا .... ۵۲۸ تا ۵۲۱ "
۳- داریوش اعظم .... ۵۲۱ تا ۴۸۶ "
۴- خشایارشا اول .... ۴۸۶ تا ۴۶۵ "
۵- ارتخشترا اول .... ۴۶۵ تا ۴۲۴ "
۶- " دوم .... ۴۲۴ ق م
۷- داریوش دوم .... ۴۲۴ تا ۴۰۵ "
۸- ارتخشتر سوم .... ۴۰۵ تا ۳۶۹ "
۹- ارتخشتر (ادکوس) چہارم .... ۳۵۹ تا ۳۳۸ "
۱۰- اورسی .... ۳۳۸ تا ۳۳۶ "
۱۱- داریوش سوم .... ۳۳۶ تا ۳۳۰ "

ج - مقدونیوں کی حکومت اور ابتری
۳۳۰ تا ۲۵۰ قبل مسیح

د خاندان اشکانی

۱- اشک اول .... ۲۵۰ تا ۲۴۷ قبل مسیح
۲- اشک دوم یا تیرداد .... ۲۴۷ تا ۲۱۴ "
۳- ارتابنوس یا اردوان اول ...... ۲۱۴ تا ۱۹۶ "
۴- فریاپی تیس یا فرہاد .... ۱۹۶ تا ۱۷۴ "
۵- متھراداتیس یا مہرداد .... ۱۷۴ تا ۱۳۶ "
۶- فرہاد دوم .... } ۱۳۶ تا ۶۹ "
۷- مہرداد دوم .... }
۸- فرہاد سوم .... ۶۹ قبل مسیح
۹- مہرداد سوم .... ۶۰ "
۱۰- اورود اول .... ۵۶ "
۱۱- فرہاد چہارم .... ۳۷ "
۱۲- فرہاد پنجم .... }
۱۳- اورود دوم .... }
۱۴- اردوان سوم .... }
۱۵- دردانیس یا اورودوس .... } ۳۷ ق م تا ۵۱ عیسوی
۱۶- گودرز .... }
۱۷- دی نونیس .... }

۱۸- ولگش اول .... ۵۱ تا ۷۵ عیسوی

۱۹- ولگش دوم، وغیرہ .... تا ۱۴۸ ء

۲۰- پرکوروس ....

۲۱- اردوان چہارم .... ۱۴۸ تا ۱۹۱ "

۲۲- ولگش سوم ....

۲۳- ولگش چہارم ....

۲۴- ولگش پنجم .... ۱۹۱ تا ۲۲۴ "

۲۵- اردوان پنجم ....

۵- خاندان ساسانی

۱- اردشیر اول .... ۲۲۶ تا ۲۴۱ عیسوی

۲- شاپور اول .... ۲۴۱ تا ۲۷۲ "

۳- ہرمزد اول .... ۲۷۲ تا ۲۷۳ "

۴- بہرام اول .... ۲۷۳ تا ۲۷۶

۵- بہرام دوم .... ۲۷۶ تا ۲۹۳ "

۶- بہرام سوم .... ۲۹۳ "

۷- نرسی .... ۲۹۳ تا ۳۰۳ "

۸- ہرمزد دوم .... ۳۰۳ تا ۳۰۹ "

۹- آذر نرسی .... ۳۰۹ تا ۳۱۰ "

۱۰- شاپور دوم .... ۳۱۰ تا ۳۷۹ "

۱۱- اردشیر دوم .... ۳۷۹ تا ۳۸۳ "

۱۲- شاپور سوم .... ۳۸۳ تا ۳۸۸ عیسوی

۱۳- بہرام چہارم .... ۳۸۸ تا ۳۹۹ "

۱۴- یزدگرد اول .... ۳۹۹ تا ۴۲۰ "

۱۵- بہرام پنجم معروف بہ بہرام گور ...... ۴۲۰ تا ۴۳۸ "

۱۶- یزدگرد دوم .... ۴۳۸ تا ۴۵۷ "

۱۷- ہرمزد سوم .... ۴۵۷ تا ۴۵۹ "

۱۸- فیروز .... ۴۵۹ تا ۴۸۴ "

۱۹- بلاش .... ۴۸۴ تا ۴۸۸ "

۲۰- کواذ (قباد) .... ۴۸۸ تا ۵۳۱ "

۲۱- خسرو اول معروف بہ نوشیروان دادگر ۵۳۱ تا ۵۷۹ "

۲۲- ہرمزد چہارم .... ۵۷۹ تا ۵۹۰ "

۲۳- خسرو دوم معروف بہ خسرو پرویز ...... ۵۹۰ تا ۶۲۸ "

۲۴- شیرویہ ....
۲۵- اردشیر سوم .... } ۶۲۸ تا ۶۳۲ "

۲۶- یزدگرد سوم .... ۶۳۲ تا ۶۳۴ "